

PDFBOOKSFREE.PK

شازی

شبناز بٹ

شادی

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ سورج دیوتا تھوڑی دیر بعد اپنی شکل دکھا دیتے ہیں پھر بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتے ہیں موسم بے حد سہانا اور خوش گوار ہے۔ ایک لڑکی قادری لاج کے برآمدے میں بیٹھی ہوئی ہلکے سروں میں کچھ گنگار ہی ہے۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ گھنگریالے بال زمین کو چھو رہے ہیں جن میں اس کی انگلیاں ایک بے خیال میں چل رہی ہیں۔ اتنے میں ایک داز قد، خوب صورت نوجوان اندر کے دروازے سے نکل کر دے پاؤں اس کے پیچھے پہنچتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اس کی آں کھیں بند کر لیتا ہے۔ لڑکی بھاری ہاتھوں کے دباؤ سے چونک پڑتی ہے پھر آں کھوں پر رکھے ہاتھوں کو چھو کر مسکرا دیتی ہے اور مترنم آواز میں کہتی ہے۔

"انگل حامد ہیں۔"

"کچھ عقل مند ہو گئی ہو اب۔" نوجوان نے لڑکی کی آنکھوں سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"انگل آپ کو بہت دیر سے پتا چلا، ہم تو بچپن سے ہی عقل مند ہیں۔" لڑکی نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

[illegible][illegible]

"ارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ارے، کہیں یہ غضب نہ کرنا سویٹ بھیتیجی صاحبہ ہم تو بن موت مر جائیں گے۔" نوجوان نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"پھر ہر وقت مجھے تنگ کیوں کرتے رہتے ہو؟"

شازی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "سچ انکل،"

"ارے نہیں بھئی، ہم تو بہت شاہ دل ہیں، آؤ باہر سے کچھ پھل وغیرہ لے آئیں۔ تمہاری بات کچھ سچ ہی لگتی ہے۔ مجھے بھی بھوک محسوس ہونے لگی۔" حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چھوڑیے، عادت خراب ہو جائے گی۔ ابھی ابھی تو کھانا کھا کر آئے ہیں۔" شازیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب نخرے نہ کرو نا معقول بھیتی صاحبہ۔۔۔ اٹھو جلدی سے۔"

"انکل پلیز میں بہت تھک گئی ہوں۔ آپ جا کر لے آئیں، میں آپ کے آنے تک یہاں بیٹھتی ہوں۔" اور ساتھ ہی وہ ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئی۔

"بڑی حرام خور ہو۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر بے چارہ روئے گا اپنی قسمت کو۔۔۔۔۔۔"

پھر اس نے کہا۔ "اچھا محترمہ۔ اب آپ یہاں ہی تشریف رکھیں مگر کہیں ایسا نہ ہو، صبح اخبار میں نکوالناپڑے کہ ایک عدد لہن مقبرہ جہانگیر میں گم ہو گئی ہے جن صاحب کو ملے وہ اس پتے پر۔۔۔۔۔۔"

"انکل۔۔۔۔۔ خدا کے لیے اب سدھاریے بھی۔" شازیہ نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔
"جارہا ہوں جناب۔ جارہا ہوں۔"

"انکل۔ آپ نے تو اچھی خاصی تقریر شروع کر دی۔۔۔۔۔ چپ رہیں خدا کے لیے مجھے کچھ نہیں کھانا ہے بابا۔۔۔۔۔ ویسے ٹالنے کا یہ اچھا طریقہ ہے، کنجوس کہیں گے!"

"یا وحشت۔۔۔۔ یہ فون کہاں سے نازل ہو گئی؟" شازیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلتی ہو یا دوں ایک ہاتھ اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟" سیمانے شازیہ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔

"چلتی ہوں بھئی۔ وہ انکل حامد ذرا ماہر سے پھل لینے گئے ہیں۔ بس آتے ہی ہوں گے۔"

شازیہ نے باہر راستے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سینما چلا اٹھی۔ "مہاشے جی تشریف لارہے ہیں۔ باادب با ملاحظہ ہو شیاریا۔۔۔۔۔"

"اللہ اس لڑکی کی زبان بند کرے۔ پوری میرٹھ کی قینچی ہے۔" فرحت نے سیمہ کے منہ

اتنے میں حامد قریب آ گیا تھا۔ سب نے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کہاں سے وارد ہو گئیں؟" حامد نے پھل کے

"ہمیں الہام ہوا تھا کہ حامد انکل پھل خرید کر آرہے ہیں، سوچا چلو اپنا حصہ بھی بٹا آئیں

"یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس وقت ہم لوگ بہت جلدی میں ہیں بات دراصل یہ ہے

اجازت دے دی ہے اب آپ بھی اجازت دے دیں تو ہم سدھار جائیں۔"

پھر حامد کو گڑھی شاہو اتار کر یہ وب واہگہ بارڈر کے لیے روانہ ہو گئیں۔ پندرہ میل کا فاصلہ ہی کیا ہوتا ہے۔ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اب فوجی بارکین شروع ہو گئی تھیں اور پاکستان و ہندوستان کے پرچم صاف دکھائی دے رہے تھے۔ گاڑی ایک جگہ کھڑی کر کے سب اتر پڑیں اور اس جنگل کی طرف روانہ ہو گئیں جو پاکستان اور ہندوستان کی حد بندی کہلاتا ہے۔ سرحدوں پر ڈیوٹی میں رائل سنہالنے ڈیوٹی دے رہے تھے۔ سب ان کی قریب چلی گئیں اور ان سے پاک بھارت تعلقات پر مختلف سوالات کرنے لگیں۔ سیما اور فرحت کو جھنڈے کی سلامی دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ وہ پاس کھڑے ہوئے ایک کیپٹن سے بولیں۔

اب سے کوئی ڈیڑھ گنٹھ بعد۔" کیپٹن نے بڑی متانت سے کہا۔

وہاں جا کر انہوں نے چائے وغیرہ پی اور قریب بیٹھے ہوئے بعض فوجیوں سے ستمبر 1947ء کی پاک بھارت جنگ کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ اتنے میں جھنڈے کی سلامی کا وقت آ گیا اور پھر جنگلے کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔

دونوں طرف اپنا اپنا قومی ترانہ بج رہا تھا۔ لمحات کے وقفے سے جھنڈے کو سلامی دے کر بڑے وقار سے نیچے کر دیا گیا۔ سلامی دینے والے سب نوجوان لائن میں کھڑے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ دیکھنے والے بالکل خاموش اور باادب کھڑے تھے۔ سب

[illegible]

خیال رکھنا بھئی۔۔۔۔۔ وہ بھی زمانہ کتنا اچھا تھا کہ جب کسی کی شادی ہونے لگتی تھی تو لڑکی مہینوں گھر سے باہر نہ نکلتی تھی۔ بڑی بوڑھیاں کہتی تھیں کہ تاریخ مقرر ہو گئی ہے، کہیں کسی ہوائی چیز کا اثر نہ ہو جائے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔ پھر شازیہ اور دوسری لڑکیوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مگر آج کل کی لڑکیاں تو خود ہوائی چڑیلیں ہیں، ان محترمہ ہی کو دیکھ لیجیے، شادی میں اٹھائیس دن رہے گئے ہیں اور ان کا پاؤں گھر میں نہیں ٹکتا۔ اب کشمیر فتح کرنے جا رہی ہیں۔ جا کر خیریت کی اطلاع ضرور دیجیے گا۔" حامد نے رونی صورت بنا کر کہا اور سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

اس نے دوبارہ گاڑی سٹارٹ کی پھر مسلسل سٹارٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اب تو سب گھبرائیں ہر ایک نے نیچے اتر اتر کر اپنی اپنی معلومات کے مطابق جتن کیے۔ لیکن گاڑی ٹھیک ہونا تھی نہ ہوئی۔

"سیما۔ میرا خیال ہے کہ اس کو تو چھوڑ دیں، کوئی سواری ڈوھنڈیں تاکہ گھر پہنچ سکیں۔
دیر ہو گئی تو پٹائی ہو جائے گی۔ تم لوگ تو نزدیک ہو، دور تو سب سے مجھے ہی جانا ہے۔"
شازیہ نے متفکر ہوتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو شازی۔ آؤ ابھی اس مصیبت کو تو ایک طرف کر دیں۔ پھر انہوں نے راہ چلتے دیہاتیوں کی مدد سے گاڑی کو ایک طرف لے جا کر بند کر دیا اور سب سواری کی تلاش میں سڑک کے کنارے

آکر کھڑی ہو گئیں۔ جگہ کافی سنسان تھی کافی دیر تک ان کو کوئی سواری نہ ملی تو سب پریشان ہو گئیں۔

"رضیہ۔ اگر صورت حال یہ ہی رہی تو آج گھر کیسے پہنچیں گے؟" فرحت نے فکر مندی سے کہا۔

"اللہ ادھر تو سوائے ٹرکوں، بسوں اور جلیپوں کے اور کچھ آہی نہیں رہا۔ ٹیکسی یا ٹانگہ جو بھی آتا ہے وہ پہلے ہی سے بھرا ہوتا ہے۔ آج تو شاید یہیں رہنا پڑے گا۔" رضیہ نے پریشانی سے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ کسی سے لفٹ لے لیں۔" سیما نے تجویز پیش کی۔

سیما گاڑی خود ڈرائیو کر رہی تھی اور پیچھے مڑ کر باتیں بھی کرتی جاتی تھی۔
 "اے سیما۔ خدا کے لیے سامنے دیکھ کر گاڑی چلاؤ۔ ہم میں سے تو کسی کا بھی انشورنس
 نہیں ہے۔" شازیہ نے سیما کا سر پکڑ کر سامنے کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔
 "تم فکر نہ کرو ڈیر۔ اگر ایکسیڈنٹ کیا بھی تو تم کو شادی کروانے کے لیے ضرور زندہ بچالوں
 گی۔" سیما پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"سیما تمہاری یہ سکیم کافی اچھی ہے۔" فرحت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دفع ہو۔ سوائے شادی کے اور کوئی بات تو تمہیں آتی ہی نہیں ہے۔" شازی نے سیمائے کے بال کھینچ کر کہا۔

"او۔۔۔ تیرا ستیاناس، میرے سارے بال خراب کر دیے۔ نالائق کہیں کی۔"

پھر ایک دم انجن میں ایک گڑ گراہٹ سی ہوئی اور گاڑی کچھ دور جا کر بڑے اطمینان کے ساتھ رک گئی۔

"یہ کیا ہوا سیما؟" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"مجھے کیا معلوم۔۔۔۔۔"

"بادب با ملاحظہ ہو شیار۔ ایک عدد گاڑی تشریف لارہی ہے۔" چنچل سیما نے اونچی آواز سے کہا۔

"نہیں۔ اس سے آپ کو کافی تکلیف ہوگی۔ مہربانی کر کے ہمیں۔۔۔"

"تکلف نہ کیجیے۔ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" نواجوان نے فرحت کی بات کاٹ کر کہا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "برائے مہربانی اپنے اپنے دولت خانوں کا پتا بتا دیجیے۔"

”آپ مجبور ہی کر رہے ہیں تو سنیے۔
نمبر ایک‘ یہ سلمی پاکستان منٹ اتریں گی۔
نمبر دو‘ نگہت گڑھی شاہو میں۔

نمبر تین: میں ہال روڈ پر۔

نمبر چار، رضیہ جیل روڈ پر۔

نمبر پانچ، سیما اور شازیہ گل برگ جائیں گی۔

ویسے اب بھی وقت ہے۔ اتنی مصیبت مول نہ لیں اور ہمیں سٹیشن پر اتار دیں۔" سیمانے ہنستے ہوئے کہا۔

"مصیبت کی کیا بات ہے۔ آپ سب تو میرے راستے میں ہی آتی ہیں۔ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔"

"جی ہاں۔ بات تو کچھ ایسی ہی بن گئی ہے۔ چلیے آپ زحمت سے بچ گئے۔" سیمانے ہنس کر کہا۔ اب وہ بڑی بے تکلفی سے اجنبی سے باتیں کر رہی تھی۔ ہر ایک سے جلد گل مل

جانا سیمہ کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اس کو اس طرح باتیں کرتے دیکھ کر شازیہ نے زور سے چٹکی لے کر سرگوشی کی۔

اور پھر سب باری باری اپنے اپنے مکانوں پر اتر گئیں اور شازیہ اکیلی رہ گئی۔ دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت ڈر رہی تھی کُ نوجوان کی شیریں اور مرتعش آواز سنائی دی۔

"آپ کو کس بلاک میں جانا ہے؟" نوجوان نے پیچھے مڑ کر اشتیاق سے اس رنگ و نور کی دولت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

دیر ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت گھبرار ہی تھی اور ان ہی سوچوں میں وہ مستغرق تھی کہ ماں کو کیا جواب دے گی کہ اچانک بریک لگنے کی آواز سے چونک پڑی۔

گاڑی ایک بہت ہی خوب صورت بنگلے کے پورٹیکو میں کھڑی تھی۔

پینا پسند فرمائیں گی؟ مجھے بے حد خوشی ہوگی، اگر آپ میری یہ التجا منظور فرمائیں۔"

"معاف کیجیے گا۔ مجھے پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ میری امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" پھر اس نے اجبنی نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی بہت بہت مہربانی ہو گی اگر مجھے اس وقت معاف فرمائیں۔"

18

اس چٹکی سے سیما اچھل پڑی۔

صاف! "سیمانے غضب ناک نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

گے۔ جو چاہو کر لو۔" سیما نے شازیہ کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

روئے گا سر پر ہاتھ رکھ کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فرحت نے سرگوشی کی۔

نے ڈھٹائی سے کہا۔

بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔ "فرحت نے اسے سمجھایا۔

ہنسی روکنے کے لیے جلدی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"م۔۔۔۔۔۔۔۔ میں۔۔۔ اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شازیہ تڑپ اٹھی۔ غصے میں اس نے اپنے ہونٹوں کو دوپٹے سے بڑی بے دردی کے ساتھ رگڑ ڈالا۔ آس سو کی ٹوٹی مالا کی طرح اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔ کافی دیر تک وہ ایک بے کلی محسوس کرتی رہی جس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ہونٹوں کی جلن بڑھتی رہی۔ کاف دیر تک وہ منہ کو ہاتھوں سے چھپائے روتی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے سر گھٹنوں سے اٹھایا۔ نوجوان سامنے صوف پر بیٹھا پریشان پریشان سی نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شازیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور تھر تھراتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

"لعنت ہے تجھ پر۔۔۔۔۔ کدھر چلی گئی آج تیری پارسائی۔ ایک لڑکی کو دیکھ کر تو شیطان بن گیا۔۔۔ اگر اس کی جگہ تیری، بن ہوتی۔۔۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔!" ضمیر کی آواز سے مغلوب ہو کر

"اف-----میرے خدایا۔۔۔ یہ میں نے کیا کیا۔۔۔۔۔۔ اس لڑکی کے والدین کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ کیسی بری حرکت سرزد ہو گئی مجھ سے۔ شیطان نے مجھے بہکا دیا۔۔۔۔۔ اب میں کیا کروں؟"

"میں ابھی اس کو چھوڑ کر آتا ہوں۔" جب وہ اس کمرے میں آیا تو شازیہ اسی طرح

"چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں!" اب نوجوان کی آواز بہت مدھم اور بھاری تھی اور اس مکھیں جھکائے ایک بے چینی سے وہ ہاتھ مل رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے سامنے لگے ہوئے قد آدم آسنے میں اپنا عکس نظر آیا اور
ایسا لگا جیسے وہ بالکل بدل گیا ہو۔

"یہ تو نے کیا کیا۔۔۔۔۔ ذلیل انسان۔۔۔۔۔ کیا تیری ساری شرافت صرف ایک دھوکہ تھی؟" ایک آواز اسے کانوں میں پڑتے ہوئے محسوس ہوئی۔

"وہ بہت حسیں ہے۔۔۔۔۔"

اور ضمیر نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

س میں 'نہیں'۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"
شازیہ نے گھبرا کر مشکوک نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھا۔

"ضد نہ کریں، میں آپ کو چھوڑے آتا ہوں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو حسن کی دولت دی ہے تو اس کی نمائش اس طرح سڑکوں پر نہ کریں۔ ایسا نہ کہ آپ کے ساتھ کسی اور کے اعمال بھی داغ دار ہو جائیں۔۔۔ عورت کا مقام اس کا گھر ہے، وہ اسی میں اچھی لگتی ہے۔۔۔۔۔ اچھا چھوڑیے ان باتوں کو، آئے میں آپ کو چھوڑ آؤں، گھر میں آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا ہوگا۔"

پہلے کے اور اب کے نوجوان میں زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن شازیہ اب بھی سہمی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔ "کہیں یہ اس کی کوئی اور چال ہی نہ ہو۔" وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"چلیے۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" نوجوان نے ذرا تلخی سے کہا۔

"اللہ تعالیٰ بہتر کرے۔" بادل ناخواستہ وہ ایک مجبوری سے اٹھی اور نوجوان کے پیچھے چل دی۔

ایک بارونق جگہ آتے ہی شازیہ کی جان میں جان آئی اور وہ ہمت کر کے بولی۔ "ٹھہریے، مجھے یہیں اترنا ہے۔"

گاڑی رک گئی اور وہ جلدی سے اتر پڑی۔

نوجوان نے بغیر کچھ کہے گاڑی موڑ لی اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد شازیہ کو ایک رکشا مل گیا اور وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

رات اپنی کالی گھینری زلفیں بکھرائے ہوئے تھی۔ رکشا میں بیٹھی ہوئی شازیہ ایک سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ واقعات کے تاثر سے اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گھر جا کر اس کا ذکر کرے یا نہ کرے اور گھر والے اس کی بات کا اعتبار کریں گے یا نہیں؟ وہ سوچنے لگی۔

"اگر میں نے بتا دیا تو بات بہت بڑھ جائے گی۔۔۔ لیکن میں بتاؤں گی۔ میں اس کے بارے میں کچھ جانتی بھی تو نہیں۔۔۔۔۔ واقعات نے مجھے اتنا بدحواس کر دیا تھا کہ میں اس گاڑی کا نمبر بھی نوٹ نہ کر سکی۔۔۔۔۔ کاش میں نے نمبر نوٹ کر لیا ہوتا۔"

آخر کافی سوچ بچا کے بعد شازیہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس واقعہ کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے گی اور اس راز کو ہمیشہ اپنے سینے میں دفن رکھے گی۔ غیر شعوری طور پر اس کے ہاتھ پھر اپنے ہونٹوں پر پہنچ گئے اور اس نے ایک بات پھر بڑی بے دردی سے انھیں رگڑ ڈالا۔

دیر کافی ہو چکی تھی۔ اندھیرا دیکھ دیکھ کر شازیہ کی جان نکلی جا رہی تھی۔

آخر کوٹھی سے کچھ دور پر اس نے رکشہ چھوڑ دیا اور ڈری سہمی گیٹ میں داخل ہو گئی تو سامنے ہی برآمدے میں انکل حامد بے چینی سے ٹھل رہا تھا۔ وہ شازیہ کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ کتنی ہی دفعہ باہر آ کر دیکھ چکا تھا۔ شازیہ کی امی کا بھی مارے فکر کے برا

محترمہ، سیر کرتے وقت تو گھریا دنہ آیا ہوگا۔۔۔ اور ہاں اب کیسے آئی ہو یوں لگتا ہے جیسے کسی سے مار کھا کر آئی ہو۔" حامد نے غور سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو۔۔۔ وہ ہمیں کافی پیدل چلنا پڑا ہے نا اس لیے ذرا تھک گئی ہوں۔" شازیہ نے گھبرا کر کہا۔

"دیکھو شازی آئندہ ایسی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔" حامد نے اس کی لمبی چوٹی کھینچ کر کہا۔
"کبھی نہیں انکل کبھی نہیں۔۔۔۔ آئندہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ بس آج
کے دن امی جان سے بچالیں۔ میں ہمیشہ آپ کی شکر گزار ہوں گی۔ اور۔۔۔۔۔ ہاں میں
نے آج سے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ کبھی آپ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی!"

شازیہ نے ایک دم اپنے آپ کو سنبھالا اور آگے بڑھ کر حامد سے لپٹ گئی۔

"انکل ڈیر انکل۔۔۔۔۔ معاف کر دیں پلیز، واقعی بہت دیر ہو گئی۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ اصل میں ہماری گاڑی راستے میں خراب ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے دیر ہو گئی، ورنہ ہم تو شام ہونے سے پہلے ہی پہنچ جاتے۔ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔ مجھے ان کے مجبور کرنے پر جانا پڑا۔ معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ کبھی کہیں نہ جاؤں گی۔" اور وہ سچ مچ ہاتھ جوڑنے لگی۔

خاص بات ہو گئی۔ جو تم نے اتنا سیریس فیصلہ کیا ہے؟" حامد نے ہنس کر پوچھا۔

"جاؤ معاف کیا تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کسی شہنشاہ کے آگے ہاتھ جوڑے تھے اور اس نے معاف نہیں کیا۔" حامد نے اکڑتے ہوئے کہا۔

"خوب بہت خوب۔ چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ شادی سے پہلے تمہیں عقل آ گئی۔ لڑکیوں کو واقعی اکیلے نہیں گھومنا چاہیے۔" پھر وہ ایک دم چونک پڑنے والے انداز سے کہنے لگا۔

"بھابھی آج بہت گرم ہیں شازی۔ تمہارے لیے بہت پریشان تھیں۔ میری کافی مرمت ہوئی ہے۔ کہہ رہی تھیں کہ میں نے تمہیں سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ چلو اب اندر چلو

"کیا اب یہاں ہی رات گزار دو گی؟ اندر چلو۔ وہاں تمہارا بے چینی سے انتظار ہو رہا ہے۔" حامد اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔

"لیجیے یہ ملزمہ حاضر ہے۔۔۔۔۔"

سامنے ہی شازیہ کی امی سلمیٰ بیگم غصے میں بھری بیٹھی تھیں، بیٹی کو دیکھ رک ان کی جان میں جان آگئی لیکن انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا اور گرج کر بولیں۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے شازیہ؟ تمہیں ہماری پریشانی کا بھی خیال نہیں تھا۔"

"جی۔۔۔۔۔ وہ گاڑی۔۔۔۔۔ راستے میں خراب ہو گئی تھی۔ امی جان اس لیے دیر۔۔۔۔۔ ہو گئی۔۔۔۔۔ معافی چاہتی ہوں۔ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔" شازیہ کے منہ سے پوری بات نہ نکل رہی تھی۔

"مجھے لڑکیوں کا اس طرح آزادی سے رات گئے تک گھومنا بالکل پسند نہیں ہے۔"

"جی۔۔۔۔۔" شازیہ نے بمشکل کہا۔

"بھابھی جان۔ شازیہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ یہ کبھی کسی کے ساتھ نہ جائے گی۔ مہربانی سے اس وقت اس کو معاف کر دیں۔" حامد نے پہلی بات گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری اسی طرف داری نے تو اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ اس سے پوچھا بھی کہ یہ اب آئی کیسے۔۔۔۔۔ خدا نخواستہ کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو کیا ہوتا۔ اکیلی لڑکیاں کیا کر سکتی تھیں۔"

پھر انہوں نے براہ راست سوال کر دیا۔

"تم اب کس طرح آئی ہو؟"

"جی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ ہمیں کافی پیدل چلنے کے بعد۔۔۔۔۔ ایک۔۔۔۔۔ ایک ٹیکسی مل گئی تھی۔" شازیہ نے گھبراتے ہوئے ہکلا کر کہا۔۔۔۔۔ پھر کافی دیر تک وہ سہمی سہمی کھڑی ماں کی جلی کٹی سنتی رہی اور دل میں پشیمان ہوتی رہی۔ ماں نے جو کچھ بھی کہا تھا بالکل ٹھیک ہی کہا تھا ان کا اندازہ حادثہ کے بارے میں کتنا درست تھا۔ شازیہ ایک سوچ میں ڈوب گئی تھی لیکن ماں کی آواز پر پھر ہوش کی دنیا میں آ گئی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں امی جان۔۔۔۔۔۔۔ اب معاف کر دیجیے آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ ہوگی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جن سے مامتا پگھل گئی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں، جا کر غسل کرو، دیکھو کیا حالت بنی ہوئی ہے کپڑے تبدیل کر کے آؤ کھانا کھاؤ، خود بھی پریشان ہوتی ہے اور ہمیں بھی پریشان کرتی ہے۔ پتا ہے کہ تمہاری غیر حاضری میں برداشت نہیں کر سکتی۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنا۔ جاؤ۔۔۔۔۔"

اپنے کمرے میں پہنچ کر شازیہ نے ایک اطمینان کی سانس لی۔

"شکر ہے میرے مولا۔ تو نے عزت رکھ لی، میں کس منہ سے تیرا شکر ادا کروں۔" اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور نماز شکرانہ ادا کرنے لگی۔ نماز ختم کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

"سارے جہان کے مالک! میں تیری بہت شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھ عاجز کی لاج رکھ لی، تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مالک! تو بڑا غفور الرحیم ہے!" اس نے آمین کہا ہی تھا کہ حامد اندر داخل ہوا۔ اور اسے نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگا۔

"ارے۔۔۔ یہ بے وقت کی حجن کب سے ہو گئیں۔

"آج تجربہ ہوا کہ اللہ بڑا کارساز ہے، وہ پتھر کے دل کو بھی موم کر سکتا ہے۔" شازیہ نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"شکر ہے کہ تمہیں اتنا تو معلوم ہو گیا۔۔۔۔۔ لیکن کون سا پتھر موم ہو ہوا۔ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ واقعی ہو پتھر یا تھا یا پہلے ہی موم تھا۔ کوئی خاص بات لگتی ہے شازیہ جی۔"

حامد نے ہنس کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔" شازیہ گھبرائے ہوئے جلدی سے بولی۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" حامد نے ہنستے ہوئے شازیہ کو چھیڑا۔

"کچھ بھی نہیں انکل، نہ جانے آپ کو کیا وہم ہو گیا ہے ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے کبھی کوئی بات آپ سے نہیں چھپائی اور میرے خیال میں آپ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اعتماد کا بہت بہت شکریہ شازی، میں تو ایسے ہی تمہیں چھیڑ رہا تھا نکلی لڑکی۔" حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا آج کھانا کھانے کا ارادہ نہیں ہے۔ بھابھی جان اپنی لاڈلی کا انتظار کر رہی ہیں۔ مجھے بھیجا ہے کہ جا کر دیکھو، کہیں تم رو تو نہیں رہی ہو، اور یہاں محترمہ کے دانت پورے میتس کے بتیس نکلے ہوئے ہیں ویسے شازی ڈیر آج تمہاری مرمت کافی ہوئی ہے، بھابھی جان آج بہت جلال میں تھیں۔ چلو اٹھو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہوگا۔" حامد نے ہاتھ سے اس کا سر اونچا کرتے ہوئے کہا۔

"ارے تم سچ مچ روے لگیں، بس بھئی بس میں بھابھی سے کچھ نہیں کہتا مگر خدا کے لیے ان موتیوں کو گرنے سے روکو، میرے پاس تو رومال بھی نہیں ہے جو چننا جاؤں اور شازیہ تم نے تو وہ بات کی ہے۔"

"آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا۔"

"کیا۔۔۔ یہی کہ آج جو تمہاری مرمت ہوئی ہے، وہ میرے یاد دلانے سے تمہیں یاد آئی۔" حامد نے عجیب سی شکل بنا کر کہا۔ اور شازیہ روتے روتے بے ساختہ ہنس پڑی۔

"شاباش ہماری بھتیجی بہت اچھی ہے، چلو بھئی چھوڑو یہ رونا، ہنسنا، بالکل سونے جاگنے والی گڑیا لگتی ہو۔ اب جلدی سے چلو، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اور پھر وہ خاموشی سے اس کے ساتھ کھانے والے کمرے میں آگئی۔

بیٹی کو خاموش اور اداس دیکھ کر سلمیٰ بیگم کو اپنے سخت رویہ کا احساس ہوا اور وہ زبردستی ٹوک ٹوک کر اس کا کھانا کھلانے لگیں۔ ماں کے اس پیار بھرے سلوک پر شازیہ اور شرمندہ ہونے لگی۔

شازیہ امجد قاری کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس وجہ سے سب گھر والے اس پر جان دیتے تھے اور وہ تھی بھی پیار کے قابل ہر چھوٹے بڑے کی دل و جان سے عزت کرتی، نوکروں سے بھی اس کا برتاؤ بہت اچھا تھا، کبھی کسی سے سختی سے پیش نہ آتی، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملنا اس کی عادت تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ گھر بھر کی لاڈلی اور پیاری تھی۔ یہ بات شازیہ کو ماں باپ سے ورثہ میں ملی تھیں۔ دونوں میاں بیوی بہت نیک تھے۔ امجد قادری اور حامد قاری دو ہی بھائی تھے۔ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی۔ ایک دوسرے پر جان دیتا۔ حامد اور امجد قادری کی عمروں میں کافی فرق تھا۔ امجد سنجیدہ مزاج تھے جس کے برعکس حامد قادری بے حد شریر اور کھلنڈرے۔ دونوں بھائیوں کی طبیعتوں میں بھی زمین آسمان کا فرق تھا۔ امجد قادری بیرسٹر تھے۔ اپنے خاندان اور دوست احباب میں ان کی بہت قدر و منزلت تھی اور وہ تھے بھی بہترین عادات کے مالک، چھوٹے بھائی کو وہ مثل اپنی اولاد کے خیال کرتے انھوں

نے ہی حامد قادری کی پرورش کی تھی۔ ان کی والدہ بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ باپ کا روبرو کے سلسلے میں اکثر باہر رہتے۔ اس لیے امجد قادری نے بالکل ماں کی طرح حامد قادری کی حفاظت کی تھی۔ شادی کے بعد بیوی بھی بہت نیک اور خوش مزاج

ملی تھی۔ سلمیٰ بیگم کو بھی حامد سے اپنے چھوٹے بھائیوں جیسی محبت تھی اور حامد بھی بھابھی کا بہت احترام کرتا تھا۔

وہ پاکستان فوج میں کیپٹن تھا اور آج کل چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ اس کے آلہ سے ہمیشہ گھر میں کافی رونق ہو جاتی تھی اور شازیہ تو اس کو دیکھ کر پھولے نہ سماتی تھی۔ ان دونوں میں چچا بھتیجی کی مثالی محبت تھی۔ اور آپس میں حد درجہ بے تکلفی، رشتہ چھوٹا بڑا ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو اپنا دوست خیال کرتے تھے۔ حامد کی کوئی بات شازیہ سے پولیشدہ نہیں تھی اور شازیہ کو بھی کوئی بات حامد کو بتائے بغیر چھین نہ آتا تھا مجموعی طور پر حامد کو اپنی یہ شریر اور پیاری سے اکلوتی بھتیجی بہت عزیز تھی اس لیے وہ اس کی شادی پر ایک ماہ پہلے آگیا تھا۔

غرض امجد قادری کا چھوٹا سا کنبہ بہت سادہ لیکن ایک پر مسرت زندگی گزار رہا تھا۔ گھر میں اللہ کا دیاسب کچھ موجود تھا لیکن بے جان نمائش اور مصنوعی زندگی سے امجد کو نفرت تھی، مگر آج کل ان کے اصول میں کچھ فرق پڑتے معلوم ہو رہا تھا اور ان کے کنبے کا ہر فرد بے حد مصروف نظر آ رہا تھا۔

سلمیٰ بیگم کی تو خوشی سے زمین پر پاؤں نہ لگتا تھا اور بات بھی تھی خوشی کی۔ ان کی لاڈلی اور پیاری بیٹی شازیہ کی شادی ہونے والی تھی۔ ایک کمرے میں درزی بیٹھا کپڑے سی رہا تھا۔ دو عورتیں دوپٹوں پر گوٹہ کناری لگا رہی تھیں۔ سلمیٰ بیگم ان کو ضروری ہدایتیں

دیتی جا رہی تھیں اور زیادہ دیر کسی ایک مقام پر نہ ٹھہرتی تھیں۔ ابھی یہاں ابھی وہاں۔ وہ اپنی پیاری بیٹی کی شادی پر دل کے سارے ارمان نکال لینا چاہتی تھیں۔

شازیہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتی مگر خاموش تھی۔ اس سے اگر کسی چیز کے بارے میں رائے پوچھی جاتی تو شرما کر گردن جھکا لیتی۔ جس پر حامد چھیڑ چھاڑ کر اس کے ناک میں دم کر دیتا تھا۔

مختصر یہ کہ سارے کمرے میں رنگارنگ قیمتی کپڑے پھیلے ہوئے تھے اور کمرہ کپڑے کی کوئی خوبصورت سی دکان لگ رہا تھا۔

امجد قادری کو زیادہ دکھاوا پسند نہ تھا۔ وہ طبعاً ”حد درجہ قدامت پرست تھے مگر اکثر ایسے مواقع پر بیوی اور حامد سے مجبور ہو جاتے۔ حتیٰ کہ شازیہ کے معاملے میں بھی وہ بضد تھے کہ اس کو برقعہ پہنایا جائے لیکن ان کی چل نہ سکی اور جب اس کی شادی کا تذکرہ ہوا تو حامد نے کہا کہ شازیہ سے دریافت کر لیا جائے۔ اس پر امجد قادری بگڑ گئے اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارے یہاں لڑکیاں تو لڑکیاں ہیں لڑکوں کی شادیاں بھی بزرگ طے کرتے رہیں گے۔

امجد نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی لگا دیا کہ شازیہ سے پوچھنا تو درکنار اس کو یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ اس کا ہونے والا شوہر کون ہے؟

ان کی اس سختی کا نتیجہ تھا کہ شازیہ کے ہونے والے شوہر نے بھی اس کو نہیں دیکھا تھا۔ ہاں اس کی ماں ایک بار دیکھ گئی تھیں اور اس کی بھولی صورت پر اتنی فریضیہ ہوئی تھیں کہ دو ہی تین روز بعد بلا سوچے سمجھے بیٹے کا پیغام بھیج دیا تھا۔

بیٹا بھی شاید بڑا سعادتمند تھا کہ اس زمانے میں بھی اس نے ماں کے انتخاب پر سر جھکا دیا تھا اور امجد قادری کی بیٹی کا رشتہ اسلام کی روایات کے تحت طے ہو گیا تھا۔

ایک ماہ کا عرصہ جھپکنے میں گزر گیا۔ شازیہ نے بہت کوشش کی کہ وہ اس اندوہناک واقعہ کو بھول جائے لیکن کوشش کے باوجود وہ اس کو بھلانہ سکی اور سب سے زیادہ اس اجنبی کی سرخ سرخ بادامی آنکھیں اس کے تصور میں ابھرتی رہیں جو اسے ہر وقت گھورتی نظر آتی تھیں۔ کالی کالی سرخ آنکھیں جو اس کے زہن سے چپک کر رہ گئی تھیں۔ شازیہ کو جب اس واقعہ کا خیال آ جاتا اس کے خون غصے سے کھول جاتا جی چاہتا کہ کاش وہ اجنبی اسے کہیں مل جائے تو انکل حامد سے کہہ کر اس کو خوب مزا چکھائے۔

خیالوں کے ان ہی تانوں بانوں میں شادی کا دن آ پہنچا۔ ہر طرف ایک ہنگامہ تھا۔ دور نزدیک کے سب رشتہ دار دو دن پہلے سے آگئے تھے۔ اتنی بڑی لاج میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لاج دلہن کی طرح سچی ہوئی تھی۔ درختوں میں رنگ برنگی روشنیاں بہت بھلی لگ رہی تھیں، باہر دور دور تک شامیانے لگے ہوئے تھے جن میں کھانے پینے کا

انتظام کیا گیا تھا۔ سب لوگ بھاگ بھاگ کر انتظام کر رہے تھے۔ آج

مہندی کی رسم تھی۔

ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ سب لڑکیوں نے آج سرخ اور نچ کپڑے پہن رکھے تھے۔ موسم کی ٹھنڈک کہ وجہ سے گہرے رنگ بہت بھلے لگ رہے تھے۔ حسیں لڑکیاں رنگ برنگے کپڑوں میں بالکل تتلیاں معلوم ہو رہی تھیں۔ شازیہ نے آج ہلکے زرد کپڑے پہن رکھے تھے جن میں اس کا معصوم حسن قدرے اداس لگ رہا تھا۔

اب سسرال والوں کا انتظار تھا کہ وہ مہندی لے کر آئیں تو دلہن کو مہندی لگائی جائے۔ لڑکیاں ڈھولک پر بیٹھے بیٹھے گیت گارہی تھیں۔ اتنے میں سسرال والوں کے آنے کی اطلاع ملی اور سب ڈھولک چھوڑ پھولوں کے ہار لیے ان کے استقبال کو لپک پڑیں۔ آنے والے کے گلے میں گلاب اور موتیے کے ہار پہنائے گئے۔ وہ جو مہندی کا تھال لے کر آئی تھیں۔ یہ تھال بڑے خوبصورت طریقے سے سجایا گیا تھا۔ درمیان میں مہندی تھی، چاروں طرف دائرے کی شکل میں موم بتیاں بہت اچھی لگ رہی تھیں اور مہندی کے لیے یہ اعترام کیا گیا تھا کہ اس کے اوپر بسم اللہ لکھ کر نیچے افشاں سے لکھے ہوئے یہ نام ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔

مہندی لڑکے کی بہنیں لے کر آئی تھیں جو سرخ اور نچ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ دولہا کی بہن کے کپڑے سرخ رنگ

کے تھے جن پر گولے کا نفیس کام بنا ہوا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح دلہن کو ایک نظر دیکھ لے لیکن شازیہ کی سسلیوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر اس نے بہانہ بنایا۔

"ہمارے ہاں رواج ہے کہ نند بھوج کو مہندی لگاتی ہے۔" رضوانہ نے ہنس کر کہا۔ "جی ہاں بہانہ کافی ٹھوس ہے محترمہ، لیکن ہم آپ کو اندر نہ گھسنے دیں گے۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم شازیہ کی نندیں بن جائیں گے۔" سیمانے جلدی سے جواب دیا۔ "پلیز، صرف ایک جھلک دکھا دیجیے، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" رضوانہ نے ہنس کر سیمانے کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"اب تو بنو کل گھر جا کر ہی بھا بھیجے درشن کرنا۔ اس طرح ہماری دلہن کی۔۔۔۔۔" "اجی کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔" رضوانہ نے سیمانے کی پوری بات سننے بغیر کہہ دیا۔ ان خوش گپیوں میں کھانے کا وقت ہو گیا۔ سب نے خوب مزے لے لے کر کھانا کھایا اور رضوانہ بھا بھیجے کو دیکھنے کی حسرت دل میں لیے گھر واپس چلی گئی، ان کے جانے کے بعد دلہن کو مہندی لگائی گئی۔۔۔۔۔ شازیہ کے پیاز پیازی ہاتھوں پر لگی ہوئی مہندی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ساری رات

لڑکیوں نے ایک طوفان مچائے رکھا۔ آخر سلمی بیگم کے سمجھانے پر کوئی تین بجے سب سونے پر آمادہ ہوئیں اور یہ حسین تقریب بخوبی نمٹ گئی۔

آج اس گھر کی پیاری اور لاڈلی بیٹی شازیہ کی بارات آنے والی تھی۔ شازیہ کا کمرہ رشتہ کی بہنوں اور سسلیوں سے بھرا پڑا تھا۔ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں اور شازیہ سے یوں چمٹی بیٹھی تھیں جیسے کہیں وہ بھاگ جانے والی ہو۔ شازیہ ہلکے پیلے رنگوں کے کپڑوں میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سب کی چھیڑ چھاڑ اور شرارتیں دیکھ رہی تھی۔

کبھی کبھی بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل جاتی جسے وہ سختی سے دبا لیتی۔ ابھی اس نے عروسی جوڑا نہ پہنا تھا اور دل ہی دل میں ازدواجی زندگی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

"خداوند میرا شریک زندگی نیک اور شریف انسان ہوتا کہ زندگی آرام و آسائش سے گزر جائے!"

عین اسی وقت بینڈ باجے کی خوش کن آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"بارات آگئی!"

ہر طرف ایک شور مچ گیا، لڑکیاں بارات دیکھنے کے لیے بھاگنے لگیں۔ عزیز اور شریر سہیلی سیما نے چٹکی لیتے ہوئے شازیہ سے کہا۔

"لو بنو، ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے۔ استقبال نہ کرو گی ان کا؟"

"چل ہٹ پاگل کہیں کی۔" شازیہ شرما کر بولی۔

"شازی ڈیر۔ اجازت ہو تو ذرا ڈاکٹر صاحب کے درشن کر آئیں۔" سیما نے کھڑی ہوتے ہوئے کہا اور شازیہ کے جواب دینے سے پہلے ہی باہر کی طرف لپک پڑی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بھاگی بھاگی آئی اور آکر شازیہ سے لپٹ گئی۔

"ہائے شازی میں تمہیں کیا بتاؤں۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بہت خوبصورت ہیں بالکل تمہاری طرح۔۔۔ سچ چاند سورج کی جوڑی ہوگی! سیما نے پھولی پھولی سانس سے کہا۔

"ذرا احتیاط سے دیکھنا، کہیں نظر نہ لگا دینا۔"

"شازی دل تھام کے سنو۔۔۔۔۔ گندمی رنگت۔۔۔۔۔ موٹی موٹی سیاہ اور مسکراتی ہوئی بادامی نشیلی آنکھیں۔۔۔۔۔ لانا قد۔۔۔۔۔ بھرا بھرا جسم۔۔۔۔۔ اور اوپر سے سیفد شیر وانی۔۔۔۔۔ قسم سے بے حد سمارٹ ہیں!" سیما نے روانی سے بولتے ہوئے کہا۔

"چل جھوتی کہیں کی۔۔۔!" شازیہ نے شرم سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

"سچ کہتی ہوں شازی ڈیر۔۔۔۔۔ تو بڑی خوش قسمت ہے، دولہا بھائی واقعی بہت خوب صورت ہیں۔" فرحت نے بھی آتے ہوئے کہا۔

"چل ہٹ بے پر کی اڑا رہی ہے تو بھی۔۔۔۔۔" شازیہ نے اس کو بھی پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"قسم لے لو شازی ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟" شازیہ نے بظاہر بے اعتنائی سے کہا۔

"میرا تو جی چاہتا ہے کہ ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھ ڈالوں۔" سیما نے مسکرا کر شازیہ کو چھیڑا۔

"اب زبان بند بھی کرو گی یا قصیدہ ہی پڑھتے جاؤ گی۔" شازیہ نے سیما کو ڈانٹا۔

"دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے مگر اوپر دل سے بیگم صاحبہ ناراض ہو رہی ہیں۔ یہ رعب کسی اور کو دکھانا۔" قریب بیٹھی رضیہ نے کہا۔

"شکر ہے تمہاری بھی زبان کھلی۔۔۔۔۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

اسی اثنا میں چند بزرگ نکاح کی اجازت لینے کے لیے آگئے۔ جن کو دیکھ کر لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔

باپ کو دیکھتے ہی شازیہ ان سے لپٹ کر رونے لگی اور امجد قادری کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ انھوں نے بڑی مشکل سے بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے روندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"چپ ہو جاؤ بیٹی۔ ان کاغذوں پر دستخط کر دو شاباش!"

شازیہ نے روتے ہوئے کاغذوں پر دستخط کر دیے مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ پھر چند ہی لمحوں بعد شازیہ امجد شازیہ شکیل بن گئی۔

ان کا نکاح ہو گیا۔

ہر طرف مبارک باد کا شور تھا۔ نکاح کے بعد کھانے کا دور شروع ہو گیا۔ کھانا بے حد لزیز اور کئی قسم کا تھا۔ ہر ایک نے بڑے شوق اور رغبت سے سیر ہو کر کھایا۔

شام کے قریب روتی دھوتی شازیہ میکے سے رخصت ہوئی اور سسرال پہنچ گئی۔ ان کے کانوں میں اب بھی باپ کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔

"شازیہ بیٹی! تمہارا اصلی گھر اب وہ ہے جہاں تم جا رہی ہو۔ اس گھر میں تمہارا قیام عارضی تھا بیٹی! وہاں جا کر ہر فرد کی حسب رتبہ عزت کرنا۔۔۔ تم بہت سعادتمند ہو بیٹی! مجھے امید ہے کہ ہر حالت میں اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھو گی۔ نیک اور سعادتمند لڑکیاں سسرال میں زندہ داخل ہوتی ہیں اور مر کر نکلتی ہیں۔"

خدا حافظ میری رانی بیٹی۔۔۔ اللہ کے حفظ و امان میں دیا؛ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔۔۔!"

پھر انہوں نے شکیل سے کہا تھا۔

"شکیل بیٹی! تم دونوں اب میری آنکھوں کی روشنی ہو۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے شازیہ بہت نازوں سے پٹی ہے بیٹی۔۔۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو ناراض ہونے کی بجائے نرمی سے سمجھا دینا۔" اتنا کہتے کہتے امجد قادری کی آواز بھرا گئی تھی پھر انھوں نے

شازیہ کا ہاتھ شکیل

ہاتھ میں دے دیا اور باہر چلے گئے تھے۔

شکیل نے بڑے پیار سے وہ خوبصورت اور سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور شازیہ کے سارے وجود میں ایک برقی لہر سی دوڑنے لگی تھی۔ اس کے بعد ہی شازیہ کو اپنے پہلو سے ایک پروقار آواز سنائی دی تھی۔

"آپ مجھے ایک سعادت مند بیٹا پائیں گے!"

"اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔۔۔!"

امجد قادری نے جاتے جاتے اسے دعادی تھی اور شازیہ کے افتق پر ایک تابانی نظر آنے لگی تھی جس میں ایک مدہوشی کی کیفیت بھی تھی اور ایک تفاخر کا احساس بھی۔

کاشانہ شکیل میں بڑی چہل پہل تھی۔ سجانے والوں نے بڑی مہارت سے کوٹھی کو سجایا تھا مختلف رنگوں کی جھنڈیاں اور غبارے دور دور تک لگے ہوئے تھے جن میں رنگ

برنگے کاغذ کے فانوس لٹک رہے تھے دلہن کے استقبال کے لیے بندھوا لے بڑی پیاری دھن بجا رہے تھے۔ دولہا کی گاڑی رکتے ہی دلہن کو ہاتھوں ہاتھ ڈرائینگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ سب لوگ بے حد خوش تھے لیکن شکیل کی بہن رضوانہ اور بھائی عامر تو خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے۔ وہ دلہن سے لگے بیٹھے تھے اور بار بار اس کو ہنسانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ شازیہ آنکھیں بند کیے خاموش بیٹھی تھی۔

"بھابی، دی گریٹ؟"۔۔۔۔۔ شازیہ کے کانوں میں ایک مترنم آواز گونجی اور ساتھ ہی کسی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"ایک نظر کرم ادھر بھی حضور!"

"میں آپ کا چھوٹا دیور یعنی پیارا پیارا بھائی عامر ہوں۔"

شازیہ نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا تو چودہ پندرہ سال کا خوبصورت سالٹر کا اس کے سامنے تھا ابھی وہ اس کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک اور آواز آئی۔

"نہیں بھابھی حضور، یہ عامر بہت شریر ہے۔ آپ میری طرف دیکھیے۔" کسی نے پیار سے شازیہ کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔

"میں رضوانہ ہوں!"

"آپ کی نند۔۔۔ بلند اقبال لیکن اپنی بھابھی کی ادنیٰ کنیر!"

اس پر شازیہ ہلکے سے مسکرا دی اور عامر ایک دم چیخ اٹھا۔

"اف۔۔۔۔۔ میرے اللہ۔۔۔۔۔!"

بھابھی حضور مسکراتے ہوئے تو بالکل شہزادی لگتی ہیں! میں بھائی جان کو بتانے جا رہا ہوں!" اور پھر وہ سچ مچ کمرے سے باہر بھاگ گیا۔ کمرے میں بیٹھے سب لوگ عامر کی اس اداکاری پر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اور شازیہ کا سر شرم سے کچھ اور جھک گیا۔

رات کوئی بارہ بجے کے قریب سب یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر چلے گئے تو شازیہ کی جان چھوٹی۔ سر جھکا کر بیٹھے بیٹھے اس کی کمر دکھنے لگی تھی۔ رضوانہ اس کے پاس بیٹھی بیٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی کہ اتنے میں شکیل کی امی صوفیہ بیگم نے کہا۔

"رضوانہ۔ اے رضوانہ!"

"جی امی جان!" رضوانہ نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا۔

"بیٹی بھابھی کو ان کے کمرے میں لے جاؤ۔ بیٹھے بیٹھے میری بیٹی تھک گئی ہوگی۔" صوفیہ بیگم نے پیار بھری نظروں سے بہو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا امی جان!" وہ شازیہ کی طرف مڑی اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"چلیے جی بھابھی دی گریٹ!" رضوانہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

کئی کمروں میں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے آگے رک کر چہکی۔ "لیجیے جناب۔

یہ بھائی جان کی خواب گاہ ہے۔ انھوں نے ہر چیز آپ کی پسند کے مطابق بنوائی ہے اور ہاں

بھابھی جان۔ بھائی جان کو بھی آپ ہی کی طرح پیازی رنگ بے حد پسند ہے۔"

"اچھا شب بخیر۔۔۔۔۔ رات کافی آگئی ہے۔ اب آپ آرام کریں!" اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

رضوانہ کے جانے کے بعد اس نے ایک اطمینان کا سانس لیا اور ان لوگوں کے والہانہ پیار کے بارے میں سوچنے لگی۔ تھوڑے سے وقت میں ہی وہ ان کے سلوک سے بڑی متاثر ہوئی تھی اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔۔۔۔۔

"یا اللہ! اس پیار میں بناوٹ نہ ہو!"

کمرہ بے حد نفاست سے سجایا گیا تھا۔ ہر چیز شکیل کے اعلیٰ ذوق کا پتہ دیتی تھی۔ پیازی رنگ کے پردے اور بیڈ کور دیکھ کر شازیہ کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے وہ اپنے ہی کمرے میں آگئی ہے۔ مسہری کے ارد گرد رنگ برنگے پھولوں اور کرن کی لڑیاں بہت ہی بھلی لگ رہی تھیں۔ ہر طرف پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب رومانی فضا تھی۔ شازیہ اس فضا میں کھوئی کھوئی ایسے لگ رہی تھی۔ جیسے کوئی آسمانی حور راستہ بھٹک کر اس کمرے میں آگئی ہو۔

سرخ عروسی جوڑے میں وہ گلاب کا ایک شگفتہ پھول لگ رہی تھی نیند سے بوجھل پلکیں نشلی آنکھوں پر جھکی کانپ رہی تھیں۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اس کی آواز پر شازیہ پوری جان سے چونک پڑی۔ دل نہ جانے کیوں دھک دھک کرنے لگا تھا۔ سر شرم سے کچھ اور جھک گیا۔

آنے والا اس کے قریب آگیا تھا۔۔۔۔۔ پھر ایک مترنم سرگوشی کانوں میں رس گھولنے لگی۔۔۔۔۔ "کیا میں بیٹھ سکتا ہوں؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

پھر کوئی اس کے بالکل قریب بیٹھ گیا اور مارے شرم کے اس کو پسینہ آگیا۔ "اجازت ہو تو یہ کنگن جو ہمارے خاندان کی رسم کے مطابق دلہن کو دیے جاتے ہیں آپ کو پہنا دوں؟"

خاموشی۔۔۔۔۔

"اجازت ہے؟" بڑے پیار سے پوچھا گیا۔

"خاموشی۔۔۔۔۔ کوئی جواب نہ ملا۔

"اچھا! خاموشی نیم رضا۔۔۔۔۔!" اور پھر بڑے پیار سے اس کے ہاتھ تھام کر دونوں ہاتھوں میں ایک ایک کنگن پہنا دیا گیا۔ پھر کسی نے دونوں ہاتھوں کو اپنے منطبق ہاتھوں میں لے کر باتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارے پیار کا بندھن ہے شازی!"

"اس کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا۔" آواز مٹھاس سے لبریز تھی۔

"اگر بات خاطر نہ ہو تو۔۔۔۔۔ یہ رخ زیبا ہم بھی دیکھ لیں جس کی خوبصورتی کی دھوم مچی ہوئی ہے۔۔۔۔۔"

اور پھر۔۔۔۔۔ بڑی آہستگی کے ساتھ گھونگھٹ الٹ دیا گیا۔

"چشم بد دور-----"

"-----عامر ٹھیک ہی کہتا تھا کہ-----آپ مغلیہ شہزادی ہیں!" شکیل نے بے خودی سے کہا۔

"آنکھیں کھولیں-----میں ان حسیں آنکھوں میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔ کھولیں نا!"

وہ کھلیں-----وہ کھلیں۔ اب کھول بھی دیجیے ناپلیز-----دیکھیے کسی سے اتنا انتظار نہ کروانا چاہیے۔" شکیل نے وار فنگی سے اس کا منہ ہاتھ سے اونچا کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو میری قسم شازی!"

شازیہ نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا-----اور پھر-----آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔

"آ-----آپ-----یہاں بھی۔"

"تم-----آہ-----ذلیل-----بد معاش اف میرا۔۔۔سر!"

اس کے بعد شازیہ کو بالکل ہوش نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ بے دم سی شکیل کے بازوؤں میں گر پڑی۔۔۔۔اور شکیل حسرت بھری نظروں سے اس کے حسیں چہرے کو دیکھنے لگا۔۔۔۔اب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ شازیہ کو دیکھ کر جو خیال اس کے دل میں آیا تھا وہ خیال نہیں حقیقت ہے، ایک تلخ حقیقت!

شازیہ وہی لڑکی تھی جس کو اس نے لفٹ دی تھی اور گھرا کر جس کے پاکیزہ ہونٹوں کی ساری سرخی چرائی تھی۔

"اف۔۔۔یہ کیا ہو گیا!" مگر جلد ہی شکیل نے اپنے حواس درست کیے۔ شازیہ کو مسہری پر لٹا کر جلد جلد اپنا ڈاکٹری بکس ڈھونڈھا اور کوئی دوا اس کو سونگھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد شازیہ کو ہوش آگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اور شکیل پر نظر پڑتے ہی پھر چیخ اٹھی۔

"تم-----تم چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔تم انسان کے روپ میں شیطان ہو۔۔۔۔شریف بن کر دوسروں کو لوٹتے ہو!"

"تم-----تم دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ میں ایک منٹ بھی یہاں نہیں رہوں گی۔۔۔ذلیل انسان!"

میں ایک منٹ بھی تمہارا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔ فریبی مجھ سے پہلے نہ جانے کتنی معصوم لڑکیوں کو تباہ کر چکے ہو گے۔ میں سب کو بتا دوں گی کہ تم۔۔۔۔"

"خاموش رہو!" ایک گرج دار آواز گونجی۔

"نہیں، نہیں۔۔۔میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں! اس کے ساتھ ہی وہ پاگلوں کی طرح دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن دروازہ کھولنے سے پہلے ہی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" شازیہ نے تڑپ کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔" گرج دار آواز گونجی۔

"آپ اس وقت کہیں بھی نہیں جاسکتی ہیں۔ لوگ کیا سوچیں گے!"

"دلہن پہلی ہی رات چلی گئی!"

"میری اور تمہاری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"اور۔۔۔۔۔۔ اور میں امی جان کو کیا جواب دوں گا۔ اف وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی۔"

"یہ صدمہ ان کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ ابا جان کے مرنے کے بعد انھوں نے دس سال بعد یہ پہلی خوشی دیکھی ہے۔"

شازیہ خدا را اس وقت کہیں نہ جاؤ۔۔۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں۔" اس کی آواز رقت سے بھرا گئی تھی۔

"اس واقعہ کے بارے میں کسی سے کچھ ذکر نہ کریں۔"

"میں تمہارا گناہ گار ہوں۔۔۔ مجھے جو چاہو سزا دے لو، لیکن خدا کے لیے اس وقت کہیں جانے کا ارادہ نہ کرو۔"

"یہ میرے اور تمہارے والدین کی عزت کا سوال ہے۔ ہماری یہ رنجش دو با عزت خاندانوں کو بدنام کر دے گی۔ لوگ نہ جانے کیسی کیسی باتیں بنائیں گے۔"

میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے کسی کام میں کبھی دخل نہ دوں گا۔۔۔۔۔ اور نہ ہی تم سے کسی قسم کا کوئی واسطہ رکھوں گا۔"

"صرف چند دن یہاں رک جاؤ۔۔۔۔۔ ہاں اگر بعد میں خدا نے ہمارے راستے ایک کر دیے تو ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔ جو تم چاہو گی ویسا ہی ہو جائے گا!" تشکیل کی آواز میں دنیا جہان کا درد سمٹ آیا تھا وہ کہتا رہا۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ وہ میری پہلی اور آخری لغزش تھی!" پھر وہ ساتھ والے کمرے میں جاتے ہوئے بولا۔

"میں اس کمرے میں ہوں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا۔" ی کہتے کہتے تشکیل کی آواز بھرا گئی۔

پھر اس نے پلنگ سے کبل اور تکیہ اٹھایا۔ ساتھ والے کمرے میں چلا گیا اور صوفے پر گر پڑنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کے دل و دماغ میں

ہل چل مچی ہوئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا۔

"اگر امی جان کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔۔"

"وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی!"

"میرا اسٹاف جب سنے گا کہ میری بیوی چلی گئی تو ان کی نظروں میں میری کیا عزت رہ جائے گی۔"

"میں بد قسمت ہوئی۔۔۔۔ میں بد نصیب ہوں۔ میں اپنے غم میں کسی کو شریک نہیں کروں گی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"شادی۔۔۔۔ لوگ اس ملاپ کو کتنے حسیں رنگوں اور لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن۔۔۔۔ میں نے تو کچھ نہیں پایا کچھ بھی نہیں دیکھا۔"

"تو نے اتنی جلدی میری خوشیاں کیوں چھین لیں ہیں میرے مولا۔"

"میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا۔۔۔۔ جو تو نے مجھے ایسا جیون سا تھی دیا میری کیا خطا تھی مالک۔"

پھر باپ کے کہے ہوئے الفاظ اس کے دماغ پر آگ برسائے لگے۔

"تمہارا اصلی گھر وہی ہے بیٹی جہاں تم اب جا رہی ہو، یہاں تھا قیام عارضی تھا۔ اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔"

"شریف لڑکیاں مر کر ہی سسرال کے گھر سے نکلتی ہیں، مجھے تم سے سعادت مندی کی امید ہے بیٹی۔۔۔۔ وہ سسک پڑی۔"

میں کیا کروں ابا جان۔۔۔۔ کیا کروں۔۔۔۔ یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔۔۔۔ اس وقت آ کر دیکھیں تو سہی کہ آپ کی لاڈلی بیٹی پر کیا گزر رہی ہے۔۔۔۔ ایک رات کی دلہن پر کیسی قیامت گزر گئی ہے۔ لیکن میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ کی بات نیچی نہ ہونے دوں

گی۔ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔۔۔۔ یہ گھر میری جان لے لے گا ابا جان۔۔۔۔ میں کیا کروں۔"

"آپ کے دیے ہوئے گھر میں میرے لیے کوئی خوشی نہیں ابا جان کوئی خوشی نہیں ہے۔۔۔۔ یہ رات مجھے ڈس لے گی ابا جان۔۔۔۔ یہ رات!"

مگر رات بیت چکی تھی۔

"اف۔۔۔۔ یہ ظالم رات بیت ہی گئی۔ ابھی سب لوگ آجائیں گے میری یہ آنکھیں کہیں راز فاش نہ کر دیں۔" یہ سوچ کر وہ اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرنے لگی۔ بڑی حسرت اور بے دلی سے

اس نے سارا زیور اتارا اور حمام میں چلی گئی۔

وضو کر کے جب وہ نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ بمشکل اس نے نماز ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

"میرے پروردگار! مجھ عاجز اور بے بس پر رحم فرما۔۔۔۔ مجھے صبر دے میرے مالک! اور اپنی اس زندگی میں ثابت قدم رکھ۔"

دعا کر کے طبیعت کو ایک سکون سا حاصل ہوا اور پھر وہ اپنی جگہ آ بیٹھی۔ اس طرح کافی دیر گزر گئی۔ وہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ رضوانہ کی آواز کان میں پڑی۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں بھابھی حضور؟" رضوانہ کے چہرے پر بڑی معصوم مسکراہٹ تھی۔

"آؤ۔ اور رضوانہ رک کیوں گئیں!"

"میں پوچھنے آئی ہوں کہ آپ بیڈٹی بیس گئی؟" رضوانہ نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ رضوانہ میں بیڈٹی کی عادی نہیں ہوں۔" شازیہ نے مدہم آواز میں کہا اور باوجود انتہائی کوشش کے وہ اپنے کوبشاش نہ کر سکی۔ اس قسم کے سانحہ کا گزر جانا کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ لہذا شازیہ پھر خیالات میں کھو گئی لیکن فوراً ہی رضوانہ کے ہنسنے پر چونک پڑی۔

"بہت اچھے بھائی جان بھی بیڈٹی کے خلاف ہیں۔ بھابھی جان آپ کی عادت بھی بھائی جان سے ملتی ہے وہ ڈاکٹر ہونے کے باوجود بیڈٹی کے خلاف ہیں۔"

خدا نہ کرے میری عادتیں ان سے ملیں۔" شازیہ نے دل ہی دل میں کہا۔ لیکن رضوانہ کی یہ بات سن کر وہ کچھ سمجھ سی گئی۔

پھر صوفیہ بیگم کو کمرے میں آتے دیکھ کر شازیہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور ان کے پر وقار چہرے کو دیکھتے ہی اس کا ہاتھ ماتھے کی طرف اٹھ گیا۔

"آداب!"

"جیتی رہو بیٹی خدا تمہیں سکھی رکھے۔" انھوں نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے ڈھیر سی دعائیں دے ڈالیں۔ اور ان کا پروقت اور پیارا چہرہ شازیہ کو بہت اچھا لگا وہ کہہ رہی تھیں۔

"شازیہ بیٹی۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ ناشتہ تیار ہے وہاں سب لوگ تمہیں دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں خاص کر عامر۔۔۔۔"

پھر وہ رضوانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"رضوانہ بیٹی۔ بھابھی کا لباس تبدیل کروا کے نیچے لے آؤ۔" اور یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی جانے کے لیے مڑ گئیں۔

"بہتر ہے امی جان میں ابھی لے کر حاضر ہوتی ہوں۔"

"اٹھیے بھابھی جان کپڑے تبدیل کیجیے۔۔۔۔ بھیا آپ کے بغیر ناشتہ نہیں کریں گے۔۔۔۔۔" رضوانہ نے ہنس کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون سے کپڑے پہنوں۔ رضوانہ۔" شازیہ نے مجھے مجھے دل سے پوچھا۔

اور سو گوار سی مسکراہٹ نے اسے اور حسیسن بنا دیا۔

"کوئی پیاری سی ساڑھی پہن لیجیے۔ مجھے ساڑھی بہت پسند ہے بھابھی جان۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی پسند کی ساڑھی نکال دوں!" رضوانہ نے شازیہ کے حسین چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں ضرور لے آؤ۔۔۔۔"

"آپ کا شکریہ!" اور وہ دوسرے کمرے میں بھاگ گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک نیلے رنگ کی ساڑھی نکال لائی جس پر سیفد موتیوں اور سلمہ کا بڑا خوبصورت اور نفیس کام بنا ہوا تھا۔ ساڑھی شازیہ کے سامنے پھیلاتے ہوئے اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے نا بھابھی جان؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔" شازیہ نے اکتاہٹ سے کہا۔

پھر ساتھ والے کمرے میں جا کر اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ ساڑھی پہن کر جب وہ باہر نکلی تو رضوانہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

چشم بد دور۔۔۔۔۔ ہائے کتنی سویٹ ہیں آپ بھابھی جان۔"

رضوانہ کی والہانہ چاہت دیکھ کر شازیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اس وقت اس کے چہرے پر ایک بڑی کرب ناک مسکراہٹ تھی۔

رضوانہ نے جلدی جلدی اس کے بال بنائے۔ کچھ زیور پہنایا اور جانے کے لیے تیار ہو گئی۔۔۔ شازیہ کھوئی کھوئی سی رضوانہ کے ساتھ چل پڑی۔

ناشتے پر کافی لوگ موجود تھے اس نے دیکھا شکیل صوفیہ بیگم کے دائیں

ہاتھ والی کرسی پر بیٹھا عامر سے باتیں کر رہا تھا۔ شازیہ پر نظر پڑتے ہی عامر بات ادھوری چھوڑ کر اس کے قریب آگیا اور شازیہ کے آگے جھک گیا۔

"صبح بخیر بھابھی دی گریٹ!"

"چشم بد دور۔۔۔۔۔ کل سے میری نظریں آپ کو لگ رہی ہیں جی!"

شازیہ نے شرما کر سر جھکا لیا مگر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ذرا سی بھی رمت نہ تھی۔۔۔۔۔ عامر نے سرگوشی کی۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے ملکہ عالیہ کہ ہم غریبوں کے سلام تک کا جواب ہی نہیں دیا۔"

"صبح بخیر! شازیہ نے آہستہ سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!" عامر نے ہنس کر کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر شکیل کے ساتھ والی کرسی پر لا بٹھایا۔ شکیل کو اپنے اتنا قریب پا کر شازیہ گھبرا گئی۔

سب کی نظریں اس حسین جوڑے پر تھیں۔ جس نے شازیہ بہت گھبرار ہی تھی اور بار بار ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کو چھوٹے سے خوب صورت رومال میں جذب کر رہی تھی۔ صوفیہ بیگم بہو بیٹے کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوئی جارہی تھیں اور بڑے اصرار سے ان کو کھلا رہی تھیں لین اس کے باوجود شازیہ بہت کم کھارہی تھی۔ کوئی بھی چیز تو کھانے کو اس کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ شکیل اس کے ہاتھوں کی سست رفتار کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک عامر کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔

"بھائی جان! یہ بھابھی جان کچھ نہیں کھا رہی ہیں۔ آپ انہیں کچھ

پیش کیوں نہیں کرتے۔۔۔ اور ہاں آج آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟"

"کیا بات ہے عامی، تم مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے؟" شکیل نے گھبراہٹ سے کہا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ بھابھی جان کچھ نہیں کھا رہی ہیں۔" عامر نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"آپ آج کہاں ہیں بھائی جان!" رضوانہ چہکی۔

"ادھر آؤ لڑکیو!"

"جی فرمائیے!" سب نے قریب آ کر کہا۔

"بیٹا اوپر جاؤ اور دلہن کو اچھی طرح تیار کر دو۔ کوئی کسر نہ رہ جائے میری بہو ہیں۔"

"جی بہت اچھا!" سب اوپر کی طرف چل دیں۔

شازیہ ایک مسہری پر نیم دراز سوچوں کے اتھاہ گہرے سمندرے میں غرق تھی قدموں کی آواز پر اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور سب کو اندر آتے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آداب بھابھی جان!" رضوانہ کی سہلیوں نے کہا۔

"آداب۔" شازیہ نے سمٹ کر ان کو جگہ دیتے ہوئے کہا۔

پھر رضوانہ نے اپنی ساری سہلیوں کا شمار یہ سے تعارف کروایا اور وہ ہلکی سی مسکراہٹ ہو نٹوں پر لیے سب کی طرف دیکھتی رہی۔

ادھر سب مہمان آچکے تھے۔۔۔ ایک مہمان عورت صوفیہ بیگم کے قریب آکر بولی۔

"آیا۔ اب دلہن کو بلوائیں نا۔"

"اچھا بھئی بلواتی ہوں۔" صوفیہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور ادھر ادھر دیکھ کر رضوانہ کو آواز دی۔

"رضوانہ، اے رضوانہ؟"

"جی امی جان!"

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ اور پھر تم لوگ کیا کم ہو خاطر کرنے کے لیے۔" شکیل نے جلدی سے بات بنائی۔

پھر شامی کبابوں کی ڈش شازیہ کے سامنے کرتے ہوئے

"آپ پسند فرمائیں گی؟"

شازیہ بوکھلا گئی۔ پھر اس نے گھبرا کر ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھ لیا لیکن کھانہ سکی۔
شکیل بڑے غور سے پلیٹ میں رکھے ہوئے اس اکیلے شامی کباب کو دیکھتا

[illegible]

اور ایک آنے والے وقت کے خوف سے بے کل تھا

آج دعوت ولیمہ تھی۔ شہر کے معززین اور ان کی بیگمات مدعو تھیں۔ اعلیٰ پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہر طرف رنگین آنچل لہرا رہے تھے۔ خواتین کے زرق برق، معطر ملبوسات قوشق قزح کا سماں پیش کر رہے تھے۔ صوفیہ بیگم قیمتی پوتھ کی سفید ساڑھی پہنے مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔ دلی خوشی سے ان کا باوقار چہرہ دمک رہا تھا۔ یکایک انھوں نے رضوانہ اور اس کی سہلیوں کو قریب بلاتے ہوئے کہا۔

"دلہن تیار نہیں ہونیں ابھی؟"

"جی امی جان، میں آپ سے یہ ہی پوچھنے آئی تھی کہ کیا ان کو اب نیچے لے آئیں؟"

"ہاں بیٹی لے آؤ۔ یہ تمہاری مریم خالہ انہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔" صوفیہ بیگم نے ہنس کر ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پیازی رنگ کے لہنگے اور قمیص میں شازیہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ تینوں کپڑوں پر گوٹے اور سلمہ کا بہت عمدہ اور بھاری کام بنا ہوا تھا روشنی میں سلمہ کی چمک پر آنکھ نہ ٹھہرتی تھی۔ صوفیہ بیگم نے یہ جوڑا آج ہی کے لیے خاص طور پر بنوایا تھا۔

شازیہ جب رضوانہ کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکلی تو سامنے ہی تشکیل اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ اس کی نظر اپنے پسندیدہ گن میں ملبوس شازیہ پر پڑی تو وہ کھوسا گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔

"کاش تم میرے لیے ہوتیں شازی۔۔۔!"

دوست اس کی وار فنگی پر اس کا مذاق اڑانے لگے۔

"تشکیل۔ اس طرح تو گھور گھور کر نہ دیکھو یا۔۔۔ وہ گر جائیں گی۔" انور کے اس کا کندھا ہلا کر کہا۔

"میری نظروں میں اتنا اثر کہاں۔۔۔۔۔!" تشکیل کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ پھر وہ ایک دم گھبرا کر جلدی سے بات کو بدل کر بولا۔

"چلو یا اندر چلیں، دیکھیں شازی کو کیا کیا تحفے مل رہے ہیں!"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ ان کے قریب جانا چاہتے ہو، ویسے تو تحفے دیکھنے کا بہانہ بھی خوف ہے۔" تشکیل کے ایک بے تکلف دوست نے آں کھیں نکال کر کہا۔

"چلو یوں ہی سہی بھئی، ناراض کیوں ہوتے ہو۔" تشکیل کے ہونٹوں پر ایک مضحکہ سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

دل نے سرگوشی کی۔

"انسان جو کچھ چاہتا ہے وہ اگر اسے مل ہی جائے تو پھر خدا کو کون یاد کرے گا۔"

"ہاں تشکیل کیا سو گئے؟" انور کے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

"آؤ اندر چلتے ہیں۔" تشکیل نے چونک کر کہا۔ اور اس کے سارے دوست کھلکھلا کر ہنس پڑے، ایک منچلے نے فقرہ کسا۔

"چلو یا چلو، پیچھا رہا جا رہا ہے دیدار کے لیے۔۔۔۔۔ ویسے یہ تو ایک ہی دن میں ہمارے کام کا نہیں رہا، آگے کیا بنے گا۔"

"کل تک تو بے چارہ اچھا خاصا تھا۔" اس نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سب کے ساتھ تشکیل بھی بے ساختہ ہنس پڑا اور اپنی خفت مٹانے کو جلدی سے بولا۔

"وقت آنے پر پوچھوں گا بچہ جیہ کہ کتنے پانی میں ہو؟"

"ضرور بھی ضرور پوچھنا۔ لیکن خدا کے لیے سب لوگ خلوص دل سے دعا مانگو کہ وہ حسین وقت جلد ہی آجائے!"

ایک بار پھر فضا جاندار قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"بکواس میں تم سے کوئی نہیں جیت سکتا مجھے بخشو اور۔۔۔۔"

"اندر چلو۔" اسی نے شکیل کا فقرہ کاٹ کر جلدی سے کہا۔۔۔۔ اور ایک بار پھر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"چلو یار اندر چلتے ہیں ورنہ یہ شکیل دل ہی دل میں مجھے کوس رہا ہوگا۔" اور سب اندر کی طرف چل پڑے۔

شازیہ بڑی خوبصورتی سے سجے ہوئے پنڈال میں ایک دیوان پر بیٹھی تھی

اور واقعی شازیہ اس وقت کہانیوں کے دیس کی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ بعض پیار بھری تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور بعض کی نظروں میں حسد اور ناامیدی کے شعلے تھے۔۔۔ کچھ بادل خواستہ اور کچھ خلوص دل سے تحفے پیش

کر رہے تھے اور شازیہ گھبرائی گھبرائی ہلکے سے مسکرا مسکرا کر تحفے دینے والوں کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اس کو مسکراتے دیکھ کر شکیل کو محسوس ہوا جیسے ساری کائنات مسکرا رہی

ہے اور ایک منٹ کے لیے وہ ساری باتیں بھول گیا۔۔۔ وہ بھول گیا کہ اس نے شازیہ سے کیا وعدہ کیا تھا۔۔۔ وہ بھول گیا کہ وہ کہاں ہے۔ اس وقت اس کو اگر کچھ یاد تھا تو

صرف یہ شازیہ مسکرا رہی ہے۔ وہ وار فنگی میں پانی کے خوفناک ریلے کی طرح آگے بڑھ آیا اور اسے کہنے لگا۔

"بڑے خوبصورت تحفے مل رہے ہیں کیا ان میں میرا بھی کچھ حصہ ہے؟"

شکیل کو اپنے قریب اور اپنے سے مخاطب دیکھ کر شازیہ کے ہاتھ کانپے اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ زمین پر گر گیا۔

"اوہو!" شازیہ کے منہ سے نکلا۔

"کوئی بات نہیں۔" شکیل نے زمین پر سے پیکٹ اٹھا کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ل اتنے میں شکیل کی رشتے کی ایک خالہ قریب آ کر بولیں۔

"شکیل میاں! دلہن سے حصہ بٹوانے آئے ہو!"

"جی نہیں! ایک ہی بات ہے خالہ جان۔" شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں دلہن یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟" خالہ نے ہنس کر شازیہ سے پوچھا اور شکیل نے امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا شازیہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ بے اختیار شکیل کا دل چاہا کہ ان موتیوں کو اپنے رومال میں محفوظ کر لے لیکن حسرت سے دیکھ کر رہ گیا۔

"دلہن تم نے کوئی جواب نہیں دای؟" خالہ نے ہنس کر پوچھا۔

"جی۔" شازیہ کے ہونٹوں سے اچانک نکلا شکیل کی شوخی عود کر آئی۔ وہ جلدی سے بولا۔

"اب فرمائیے خالہ جان! ہو گئی تسلی یا ابھی کچھ اور پوچھنا باقی ہے؟"

یہ کاش پھیلتا گیا اور تشکیل کی ساری مسکراہٹ اس میں ڈوبتی چلی گئی۔"

زنجیریں بن گئی تھیں۔ ہر وقت وہ ان ہی سوچوں میں ڈوبی رہتی۔ لیکن اب تک اسے کوئی حل نہ مل سکا تھا، کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے کہ وہ دو دن کے لیے میکے گئی تھی۔ شکیل اسے چھوڑ آیا تھا مگر اسے گئے ابھی صرف ایک دن ہی گزرا تھا کہ دوسرے دن صبح عامر اور رضوانہ کی آواز سن کر وہ باہر نکل آئی۔ اسے دیکھتے ہی عامر اور رضوانہ اس سے یوں لیٹ گئے جیسے مدتوں کے بچھڑے ملے ہوں، رضوانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آپ کے بغیر ہمارا زرا بھی دل نہیں لگتا" گھر چلیے نابھا بھی جان، امی جان بھی اداس ہو گئی ہیں انھوں نے ہمیں آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے دیکھے انکار مت کیجیے پلیز۔"

"لیکن رضوانہ ڈیر۔ مجھے یہاں آئے صرف دوسرا دن ہی تو ہے۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

"ہمیں پتا نہیں۔ ہم تو آپ کو لے کر ہی جائیں گے۔" عامر نے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"اچھا بھئی چلوں گی، اندر تو چلو تم نے تو باہر ہی سے لڑائی شروع کر دی۔" شازیہ نے دونوں کو اندر لاتے ہوئے کہا۔

اندر شازیہ کی ماں سلمی بیگم ان لوگوں کی پیار بھری باتیں سن کر مسکرا رہی تھیں۔ اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ اس نے ان کی لاڈلی بیٹی کو کتنے مخلص اور محبت کرنے والے لوگ عطا فرمائے ہیں بیٹی کی اس خوش بختی پر وہ بہت خوش اور نازاں تھیں اور ان کی خیالوں میں مگن تھیں

کہ رضوانہ اور عامر نے اندر آتے ہوئے ان کو سلام کیا۔

"آداب خالہ جان!"

"جیتے رہو بچو۔ آؤ میا بیٹھو۔ صوفیہ بہن کیا کیا حال ہے۔ ان کو بھی ساتھ لے آتے تو ذرا رونق ہو جاتی۔" انھوں نے پیار سے دونوں کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

"امی جان بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کی خیریت دریافت کروائی ہے اور ہمیں بھا بھی جان کو لینے بھیجا ہے۔" رضوانہ نے بڑے ادب سے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ تم دونوں بھی کچھ دن میرے پاس رہو۔ میں اکیلی گھبرا جاتی ہوں بیٹا۔ اللہ شازیہ کا دم سلامت رکھے۔ اس کے آنے سے ذرا رونق ہو جاتی ہے۔" پھر بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے۔ "اپنے بہن بھائی کو چائے نہیں پلاؤں گی۔ شازی بیٹی۔"

"کیوں نہیں امی جان!" اور وہ چائے وغیرہ کا کہنے کے لیے باورچی خانے کی طرف چل دی۔

کوئی چار بجے کے قریب شکیل ان کو لینے آ گئے۔ سلمی بیگم کی وہ بے حد عزت و احترام کرتے تھے اور وہ بھی شکیل پر پروانے کی طرح فدا تھیں۔ ماں کی شکیل کے ساتھ اس درجہ محبت دیکھ کر بعض اوقات شازی چڑ جاتی، لیکن مجبوری کہ وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

شکیل کے آنے کے بعد سب نے دوبارہ چائے پی اور شازیہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ واپس آ گئی۔

سارا راستہ وہ اپنے خیالوں کے تانے بانے میں بھٹکتی رہی کبھی کبھی اس کے لبوں سے ایک ٹھنڈی سانس نکل جاتی۔

"اف-----"

"یہ لوگ تو میری ایک دن کی جدائی بھی برداشت نہیں کرتے جب----- جب ان کو معلوم ہو گا کہ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانا چاہتی ہوں تو یہ معصوم بچے کیا سوچیں گے۔۔۔ میرے اللہ میں کیا کروں!"

"کس طرح ان کی بے لوث معصوم چاہت کا گلا گھونٹ دوں۔۔۔ میں کیا کروں مالک!"
 گھر پہنچ کر بھی اس کی طبیعت بوجھل ہی رہی اور وہ سب سے معذرت کر کے اپنے کمرے
 میں آکر لیٹ گئی، خیالات میں پھر ایک انتشار پیدا ہو گیا اور جذبات میں تلاطم آگیا۔
 "میرے والدین میری ازدواجی زندگی سے کتنے مطمئن اور خوش ہیں۔ میں کس طرح ان
 کو غم دے دوں۔ کاش کوئی میرا ہمدرد ہوتا۔۔۔۔۔ کوئی دمساز ہوتا۔۔۔۔۔ کوئی
 مونس۔۔۔ کوئی غمگسار ہوتا۔۔۔!"

اتنا سوچنے کے باوجود شازیہ کو جب اس بات کا کوئی حل نہ ملا تو تھک ہار کے اس نے اس
 معاملے پر غور نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن دماغ پھر بہک گیا۔
 "تو یہاں سے جانا چاہتی ہے۔۔۔۔۔ کیوں؟"
 "کیا یہاں سے جانے کے بعد تو کسی دوسری جگہ جائے گی؟"
 "نہیں۔ نہیں۔" دل چیخ اٹھا۔

مرد کی ذات سے اس کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔ دنیا کا ہر مرد اسے شکیل لگ رہا تھا۔ وہ کسی اور کا
 تصور بھی نہ کرنا چاہتی تھی۔ لہذا دل نے ایک فیصلہ کر دیا۔
 "زندگی یہاں سے جانے کے بعد بھی اکیلے ہی گزارنی ہے تو پھر یہاں اور وہاں میں کیا
 فرق ہے!" اس نے ایک پکا ارادہ کر لیا کہ وہ صوفیہ بیگم، عامر اور رضوانہ کی بے لوث
 محبت کو ٹھکرا کر کہیں نہ جائے گی۔۔۔ رہا شکیل، تو اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں اور نہ
 ہوگا وہ کسی بھی قیمت پر اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔۔۔ نفرت پورے

عروج پر تھی، نفرت جو انسان کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔۔۔ نفرت۔۔۔ جو زندگی تباہ
 برباد کر دیتی ہے!

شکیل نے اپنے بارے میں کبھی اس سے کوئی بات نہ کی تھی، وہ دل ہی دل میں خدا کا لاکھ
 لاکھ شکر ادا کرتا کہ جس حال میں بھی ہے شکر ہے کہ وہ اس کے گھر میں تو رہ رہی ہے،
 دنیا کے دکھاوے کے لیے ہی سہی وہ ہے تو اس کی ہی، سب کے سامنے وہ آپس میں باتیں
 بھی کرتے تھے۔ اکھٹے اٹھتے بیٹھتے بھی تھے، لیکن تنہائی میں انھوں نے کبھی بھی آپس
 میں بات نہ کی تھی۔ شکیل اپنے وعدے پر سختی سے عمل کر رہا تھا۔ اس نے کبھی شازیہ کی
 بات میں دخل نہ دیا تھا اور نہ ہی سکی بات سے روکا تھا۔ اس کا جو جی چاہتا وہی کرتی۔ شکیل
 نے کبھی رکاوٹ نہ ڈالی تھی۔ بلکہ اس کی ہر ضرورت کا بے حد خیال رکھتا۔ جس سے اکثر
 شازیہ چڑھ جاتی تھی۔

کبھی کبھی شکیل کا پیمانہ صبر سے لبریز ہو جاتا تو وہ اپنے خدا سے شکوہ کرنے لگتا۔
 "میرے مولا۔ یہ تو نے جیتنے جی مجھے کس جہنم میں ڈال دیا ہے۔ مجھ سے اب یہ اذیت
 برداشت نہیں ہوتی۔۔۔ پہلی اور آخری لغزش کی اتنی سنگین سزا۔۔۔ پہلی غلطی تو تو بھی
 معاف کر دیتا ہے۔

پھر تیری دنیا والے اتنے بے رحم اور ظالم کیوں ہیں! تو رحم کرنے والا ہے مالک۔ مجھ پر
 بھی اپنا رحم کر اور مجھے اس جہنم سے نجات دے۔۔۔ یا اللہ! اپنی رحمت کے صدقے میں

شازیہ کے دل سے میری نفرت دور کر کے میرا پیار ڈال دے یا مجھے اس دنیا سے اٹھالے میرے مالک!"

"مجھ میں اب طاقت نہیں۔ اس جہنم میں جلنے کی۔۔۔ اس آگ نے تو میرا دل و دماغ جلا کر رکھ دیا ہے۔۔۔ میں کب تک یونہی سلگتا رہوں گا۔۔۔ میرا گناہ معاف کر دے پروردگار! میرا گناہ معاف کر دے!"

وہ گڑگڑاتا رہا۔

فرشے اس کے گناہ پر اسے گھورتے رہے اور دعائیں عرش سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آتی رہیں۔

چار بج چکے تھے لیکن بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی آسمان اس کینوس کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس پر مصور فطرت نے سیاہ سرمئی اور میٹالے رنگ پھیلا دیے ہوں اور کچھ اس طرح کہ کوئی بھی جگہ خالی نہ بچی تھی۔ تیز بارش سے فضا دھواں دھواں ہو رہی تھی مشرق افق سے سیاہ بادلوں کے پہاڑ سے امدت ہی چلے آ رہے تھے کبھی کبھی کوئی گاڑی پانی میں چھینٹے اڑتی گزر جاتی ورنہ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا پانی تھوڑی دیر کے لیے تھما۔ مگر جلد ہی پانی کی بڑی بڑی کوندیں آسمان سے گرنے لگیں اور سڑک پر ٹھہرے پانی میں بے شمار بلبے ناچنے لگے۔۔۔ بلبے بنتے اور مٹتے چلے جا رہے تھے۔ ایک بوند ایک نیا بلبہ تخلیق کرتی جو چند لمحات تک کانپ کانپ کر عناصر فطرت کی بے پناہ قوتوں کے مقابل ڈٹا رہتا۔ پھر ہوا کے جھونکوں اور پانی کے ریلے کا شکار ہو کر فنا کی آغوش

میں دم توڑ دیتا۔ زندگی اور موت کی اس آنکھ مچولی کا نظارہ کرتے کرتے شازیہ بہت اداس ہو گئی۔ کھڑکی میں کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں سے عامر اور رضوانہ کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ لہذا وہ اس طرف کوچل دی کہ شاید وہاں جا کر طبیعت سنبھل جائے۔ وہ دونوں اس کے آتے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھے۔

"آئیے۔ آئیے بھابھی دی گریٹ! تشریف رکھیے۔"

"شکریہ۔" شازیہ نے دروازے کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے بھابھی جان آج آپ کچھ اداس اداس نظر آ رہی ہیں؟" رضوانہ نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"نہیں رضو! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی جان اب تک ہسپتال سے نہیں لوٹے۔ شاید اس لیے فکر مند ہو رہی ہیں۔ کیا ان کا کہیں جانے کا پروگرام تھا؟" رضوانہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے مجھے معلوم نہیں کہ ان کا کیا پروگرام تھا! مجھ سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ بھائی جان بارش کی وجہ سے رک گئے ہوں گے آپ فکر مند نہ ہوں بھابھی دی گریٹ۔" عامر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عامی ڈیر۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، ہاں ایک اور بات ہے۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔
"اچھا جی۔۔۔ وہ کیا ہے؟" عامر نے آنکھیں مٹکائیں۔

"وہ کیا بات ہے بھابھی جان؟" رضوانہ نے بے صبری سے پوچھا۔

شکیل ابھی ابھی ہسپتال سے لوٹ ہی تھا اور اندر داخل ہونے کے لیے

اس نے پردے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ شازیہ کی آواز کانوں میں پڑی، اس کا ہاتھ
جہاں تھا وہیں رک گیا۔ شازیہ کہہ رہی تھی۔

"تم لوگ مجھے بھابھی مت کہا کرو۔"

"کیوں بھابھی دی گریٹ؟" عامر نے کہا۔

"بس بھئی ہماری مرضی، ہمیں اچھا نہیں لگتا بھابھی کھلوانا۔۔۔ آپیا یا باجی کہہ لیا کرو۔
مجھے بہت خوشی ہوگی۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

"نہیں، نہیں بالکل نہیں۔ ہم تو بھابھی دی گریٹ ہی کس گے۔ ہماری اکو لتی بھابھی
ہیں۔ باجیاں تو اور بھی، اور آپیاں تو بہت سی ہیں۔" رضوانہ اور عامر نے شور مچا دیا۔

"آہ، میرے خیدا۔۔۔ ہر وقت جو میرے دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔ وہ مجھے سے اتنی
نفرت کرتی ہے۔۔۔ وہ مجھے کتنا ذلیل سمجھتی ہے۔ میرے رشتے سے وہ بھابھی کھلوانا

بھی پسند نہیں کرتی۔"

"دنیا کی نظروں میں جو یہ عارض سا بندھن ہے وہ اسے توڑ دینا چاہتی ہے۔ وہ میری ذات
سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔"

"اس کا ایک طرز چاہت کا نہ جانے کا انجام ہوگا۔" دروازے کے باہر کھڑے ہوئے شکیل
نے بڑے کرب سے بازو جھٹکے اور اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے واپس مڑا ہی تھا
کہ باہر نکلتی ہوئی رضوانہ اسے دیکھ کر بولی۔

"خیریت تو تھی بھائی جان، آج آپ نے بہت دیر کر دی۔ بھابھی
بہت فکر مند تھیں۔"

"خوشی سے مرنے جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" پھر ایک دم بدل کر اس نے کہا۔

"آج کچھ مصروفیت زیادہ تھی اس لیے دیر ہو گئی رضوبی بی۔"

شکیل کی آواز شازیہ نے بھی سن لی تھی وہ زیر لب بڑبڑا کر اٹھی۔

"زیبی۔۔۔ دھوکے باز کہیں کا!"

شکیل اور رضوانہ کو اندر اتے دیکھ کر عامر بول اٹھا۔

"بھائی جان۔ آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانا ہے۔ مہربانی کر کے ذرا مقدمے کی
تفصیلات سن لیجیے اور اس کا فیصلہ بھی کر دیجیے۔" عامر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب
صوفے پر بٹھالیا اور رضوانہ سے کہنے لگا۔

"آپ مقدمہ پیش کریں۔"

سامنے والے صوفے پر شازیہ بیٹھی تھی۔ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی شکیل کو نہ دیکھا، اسی
لاپرواہی سے بیٹھی رہی۔

"ہاں تو مقدمہ یہ ہے، شازیہ بھابھی کہتی ہیں کہ ہم ان کو بھابھی نہ کہا کریں بلکہ آپیا یا باجی کہا کریں۔ اب آپ بتائیے کہ بھلابھی بھی کوئی بات ہے کہ ہم ان کو بھابھی نہ کہیں۔" رضوانہ نے ساری بات تفصیل سے بتائی۔

"دیکھو ضد نہیں کرتے، جو کوئی جو کچھ کہلوانا پسند کرے وہی کہنا چاہیے اگر شازیہ تمہاری بھابھی جان بننا نہیں چاہتی تو ان کو بھابھی نہ کہا کرو۔" شکیل نے بجھے بجھے لہجے میں کہہ کر ہونٹ دانتوں تلے دبالیے۔

"غلط، بالکل غلط۔ سولہ آٹھ غلط بلکہ سونے پیسے غلط۔" عامر نے چلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس فیصلے سے اتفاق نہیں۔"

"اوہو!" رضوانہ جھنجھلا کر بولی، میں بھول گئی تھی بھائی جان بھلابھی کے خلاف کیسے فیصلہ دے سکتے ہیں ہم نے جج کا انتخاب غلط کیا۔ ہمیں یہ فیصلہ منظور نہیں بالکل۔" رضوانہ نے وکیلوں کی طرح جرح کرتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔

"ٹھیک، بالکل ٹھیک!"

"وکیل کی بات حقیقت پر مبنی ہے۔" عامر نے تالی بجا کر کہا اور پھر میز پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔ "خاموش!"

"آپ کے سامنے مستقبل کا ایک ہونہار جج کھڑا ہے۔ وکیل صفائی کا سارا بیان سن کر ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم شازیہ بھابھی کو بھابھی دی گریٹھی کہا کریں گے۔"

عامر کی شرارت پر شازیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ لیکن شکیل نہ جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"بھائی جان آپ کس سوچ میں پڑ گئے!" عامر نے پیار سے بھائی کا کندھا ہلا کر کہا۔

"تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا کہ عامی۔ تم ایکٹنگ تو خوب کر لیتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ جج کی بجائے اگر ایکٹر بن جاؤ تو زیادہ کامیاب رہو گے۔" شکیل کے ہونٹوں پر ایک مضحکہ سی مسکراہٹ تھی۔

"زندہ باد بھائی جان زندہ باد!"

"ویسے ایک بات ہے اگر آپ مان لیں تو بڑی مہربانی ہوگی؟" عامر نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

"آج کوئی بات باقی نہ رہ جائے۔ وہ بھی کہہ دو کیا بات ہے بھئی؟" شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بے خیال میں انگلی پر دوپٹہ کھول اور لپیٹ رہی تھی۔

"وہ بات یہ ہے بھائی جان اگر میں ایکٹر بنا تو میری فلم کی ہیروئن شازیہ بھابھی ہوں گی۔ آپ کوئی اعتراض تو نہ کریں گے؟"

"اچھا، تو یہ بات ہے، ویسے عامر میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھان، بے ایمانی کرنے والے کو خدا کبھی معاف نہیں کرتا۔" شکیل نے شرارت بھری نظروں سے شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کی ہیروئن کو نہ لوں، چلیں یہی سہی بندہ پرور۔ آپ کی ہیروئن آپ کو ہی مبارک رہے میری جگہ ہیرو آپ بن جائیے گا۔ بات ختم پیسہ ہضم۔" اور پھر وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اپنی ایسی قسمت کہاں عامی، تم تو خوابوں کی باتیں کرتے ہو!" شکیل نے بڑی حسرت سے کہا اور شازیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ ہی رہا تھا۔ اور وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

موسم بارش ہو جانے سے سہانا ہو گیا تھا۔ درختوں کے پتے پانی میں دھل کر اور زیادہ سرسبز ہو گئے تھے۔ نکھرے نکھرے درخت اور پودے بہت بھلے دکھائی دے رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوائ نے ماحول کو بے حد سہانا بنا دیا تھا۔ شازیہ کافی دیر سے کھڑکی میں کھڑی اس نکھری نکھری فضا سے لفظ اندوز ہو رہی تھی کہ شکیل کی آواز سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"میں اندر آ سکتا ہوں؟"

پردے کے نیچے اس کے کس سیاہ چمکتے ہوئے جوتے نظر آ رہے تھے۔

"جی آئیے۔" شازیہ کے خوبصورت ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ اسی طرح کھڑکی کے قریب کھڑی باہر کی طرف دیکھتی رہی۔ شکیل آ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ آج چار بجے میرے سٹاف ممبر نے ہمیں چائے پر بلایا ہے آپ کے لیے انھوں نے بہت تاکید کی ہے۔ وہاں کافی لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ لیکن دنیا داری کے لیے ہم ایسا کرنے

کے لیے مجبور ہیں۔ میں نے تو ان کو بہت منع کیا۔ لیکن وہ لوگ کسی طرح نہیں مانے اس لیے مجھے ان کی دعوت قبول کرنا پڑی۔۔۔" پھر اس نے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ "مہربانی کر کے آپ چار بجے تیار رہیں۔ تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔" "کیا میرا جانا ضروری ہے؟" شازیہ نے نظر اٹھائے بغیر کہا۔

"یہ دعوت انھوں نے صرف آپ ہی کے اعزاز میں دی ہے۔" شکیل نے متانت سے کہا۔

"ٹھیک ہے لین مجھے ان پارٹیوں سے بالکل خوشی نہیں ہوتی، انسان خواہ مخواہ تماشا بن جاتا ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے خیال رکھیے گا۔" اس نے بدستور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ظاہر داری بھی تو کوئی چیز ہے ایسے حالات میں آپ کو مجھ سے تعاون کرنا چاہیے۔" شکیل کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ امی جان مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"کس بات پر تعاون کرنا چاہیے؟" انھوں نے شکیل کے آخری الفاظ سن لیے تھے۔ شکیل ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا کر بولا۔

"بات یہ امی جان کہ آج چار بجے ہسپتال کے سٹاف نے مجھے اور شازیہ کو چائے پر بلایا ہے۔ لیکن ان کو کچھ پس و پیش ہے۔" شکیل نے شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
پھر شرارت بھری آنکھوں سے اس کی طرف
دیکھ کر بڑے لاڈ سے صوفیہ بیگم سے بولا۔

"دیکھیے نامی جان۔ اگر یہ وہاں نہ گئیں تو میری کتنی سبکی ہوگی۔ سب لوگ مفت میں باتیں بنائیں گے۔"

شازیہ نے گھور کر شکیل کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ بولتا گیا۔

"اب آپ ہی بتائیے امی جان۔ اگر کوئی اتنی چاہت سے بلائے تو انسان کو جانا چاہیے نا نہیں؟"

"ہاں بیٹا ضرور جانا چاہیے۔ شازیہ بیٹی کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"جی امی جان۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شازیہ نے گھبرا کر کہا۔

"بیٹی۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں وہاں ضرور جانا چاہیے، سارا دن گھر میں رہتی ہو۔ ذرا تفریح ہی ہو جائے گی۔" صوفیہ بیگم نے پیاری بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی بہتر ہے۔ امی جان۔"

"جی بہتر۔" کی آواز سن کر شکیل کی جان میں جان آئی اور دل ہی دل میں صوفیہ بیگم کے بروقت آنے پر خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ وہاں لوگوں کے مجبور کرنے پر اس نے دعوت

مان تولی تھی۔ لیکن شازیہ کی طرف سے اسے خدشہ ہی تھا۔ اگر امی بروقت نہ آ جاتیں تو شاید وہ اس کے ساتھ جانے کے لیے رضامند نہ ہوتی۔ شکیل سوچنے لگا۔
"دنیا والے مجھے کتنا خوش نصیب خیال کرتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ میں کتنا دکھی ہوں۔ سب کی نظر میں وہ میری بیوی ہے لیکن کسی کو کیا

معلوم کہ وہ مجھ سے کتنی دور ہے۔۔۔ کتنی دور۔۔۔ کاش میں نے اسے لفٹ نہ دی ہوتی!" شکیل نے بڑے کرب سے سوچا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ صوفیہ بیگم اور شازیہ کافی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ پھر اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے کے لیے چلی گئیں۔

کالے سوٹ پر کرمرنی ٹائی اور اسی رنگ کا رومال جیب میں لگائے شکیل بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ آج اس نے اپنی طرف خاص توجہ دی تھی، جس سے اس کا مردانہ حسن چمک اٹھا تھا اور شازیہ کے ساتھ جانے کے خیال سے دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ پونے چار بجے کے قریب تیار ہو کر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ شازیہ کے کمرے کی طرف آیا اور دروازے پر رک کر آہستہ سے پوچھا۔

"میں اندر آ جاؤں؟"

لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ شکیل نے پھر ذرا بلند آواز میں کہا۔

"میں اندر آ سکتا ہوں!"

جواب نہ دارو۔ اس کا دل دھڑک اٹھا کہ کہیں اس نے جانے کا ارادہ ترک تو نہیں کر دیا۔

"چشم بد دور۔۔۔ آج تم دونوں کو میری نظر نہ لگ جائے!"
 "شکریہ امی جان۔۔۔ ہمیں اجازت ہے، شکیل نے گھڑی دیکھتے
 ہوئے پوچھا۔

"فی امان اللہ بیٹے۔" صوفیہ بیگم نے فخریہ نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

شازیہ نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔ شکیل کو یہ روٹھی روٹھی اور الجھی الجھی سی لڑکی پہلے سے کہیں زیادہ اچھی لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اور وہ خاموشی سے ساڑھی سنہبالتی بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کر کے شکیل اسٹیرنگ کے سامنے آ بیٹھا اور گاڑی چل دی راستے میں دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ شازیہ سارا وقت کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی اور شکیل اس لاپرواہی سی لڑکی کو دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ بے خیالی میں اس نے رفتار کافی تیز کر دی تھی۔ اس پر شازیہ نے حیرانی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور شکیل نے شرارت سے گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں کیا مرنے کا ارادہ ہے؟" سٹار یہ نے ناگواری سے کہا۔

"ایسی زندگی سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔" شکیل کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ تھی۔ شازیہ نے ناگواری سے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

آخر بڑی ہمت سے پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوا اور چاروں طرف تجسس بھری نظر دوڑانے لگا۔۔۔۔۔ کمرہ خالی تھا۔۔۔ اور وہ بت کافر کمرے میں موجود نہ تھی۔۔۔ تشکیل

"یہی تو وقت ہے بیٹی، پھر کس وقت پہنوں گی۔ شادی کے بعد ایک بات بھی تو تم نے زیور نہیں پہنے۔ اب اگر میں نے تمہیں اس طرح دیکھا تو تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔ لو اب یہ

شازیہ تیار تھی۔۔۔ حسن کی مورتنی۔۔۔۔ سفید کامدار جھلمل کرتی ساڑھی۔۔۔۔ اونچا

تھا۔۔۔۔۔ سفید اونچی ہیل کا سینڈل جس کی باریک ڈوریوں میں اس کے گلابی گلابی

شکیل وار فنگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جو نہی صوفیہ بیگم کی نظر شکیل پر پڑی وہ اسے دیکھ کر

خوشی سے بھرپور آواز میں بولیں۔

”آؤ بیٹا“ !

"ایک دفعہ میں نے آپ کو لفٹ دی تھی، آپ کو یاد ہے نا؟"
شکیل نے شرارت سے شازیہ کی طرف دیکھا۔ "آج بھی اگر میں آپ کو اغوا کر کے کہیں اور لے جاؤں تو کیسی رہے؟"

"جی! شازیہ نے ایک دم پلٹ کر شکیل کی طرف دیکھا اور اس نے محسوس کیا کہ اتنی سی دیر میں اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور خوبصورت آنکھوں میں ڈر اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔۔۔ اب وہ ایک تیجر میں پوری آنکھیں کھولے بڑی بے اعتمادی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں تو ایسے ہی مذاق کر رہا تھا۔ آپ اتنی سی بات پر پریشان ہو گئیں۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"کیا آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟" اس نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا گواہ ہے شازیہ میں اب کبھی اسی جرأت نہیں کر سکتا وہ تو صرف مذاق تھا۔"

اتنے میں ہوٹل آگیا اور دونوں اتر کر اندر چل دیے۔ شازیہ کی نظروں میں اب بھی شک کی پرچھائیں کانپ رہی تھیں۔ البتہ اندر پہنچ کر اس کی اطمینان ہو گیا۔ ہال میں کافی لوگ موجود تھے۔ بہت سے ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر جمع تھیں۔ ان کو آتے دیکھ کر سب کھڑے ہو کر

بڑی تہذیب سے ملے شکیل اور شازیہ ایک صوفے پر بیٹھ گئے اور سب کی نظریں اس

حسین و جمیل جوڑے پر لگ گئیں پھر تعارف شروع ہوا اور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد لوگ

چائے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میز بڑی خوبصورتی اور نفاست سے سج

ہوئے تھے۔ چائے کافی پر تکلف تھی۔ شازیہ نے سب کے اصرار کے باوجود بہت کم کھایا پیا۔

چائے سے فارغ ہو کر سب لوگ ہال میں آگئے اور ایک لیڈی ڈاکٹر ان کے قریب آ کر بولی۔

"مسٹر شکیل آپ بہت لگی ہیں، قسم سے آپ کی وائف بہت سویٹ ہیں۔"

"شکریہ مسز عالم! شکیل نے مسکرا کر شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مسز شکیل آپ بھی بہت لگی ہیں، مسٹر شکیل ہماری کلاس کے بہت لائق اور مہذب لڑکے تھے ہم لوگوں کو آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے مسز عالم ورنہ ریاض آپ کو ہمیں جانتے ہیں۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"آپ کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ مسٹر شکیل۔۔۔ اور ہاں مسز شکیل جو لوگ آپ کی شادی میں شامل ہوئے تھے وہ آپ کی بے حد تعریفیں کرتے تھے، آج میں بھی قائل ہو گئی کہ ایسا دلکش حسن بہت کم دیکھنے میں آتا ہے، واقعی آپ بہت خوبصورت ہیں۔"

شازیہ کا چہرہ ان کی باتوں سے شرم سے سرخ ہو گیا تھا وہ جھینپ کر بولی۔

"شکریہ بس کیجیے۔ آپ نے تو تعریفوں کے پل باندھ دیے۔"

"یہ حقیقت ہے مجھے بھی ان سب کی رائے سے اتفاق ہے۔" شکیل کی بادامی کالی کالی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔۔۔ شازیہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا لیکن آنکھوں کی چمک سے بوکھلا کر نظریں جھکا لیں اور شکیل

کادل چاہا کہ سب کی نظر بچا کر اس گھبرائی گھبرائی اور شرمائی شرمائی سی حسین مورتی کو اپنے دل میں چھپالے۔

"مسز شکیل آپ کو ایک خوشخبری سنائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہو کہ شکیل صاحب گاتے بہت اچھا ہیں۔"

"سچ؟" بے ساختہ شازیہ کے منہ سے نکل گیا۔ اس کو موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا اس لیے وہ اپنا اشتیاق چھپانہ سکی۔

"کیا آپ نے ان کا گانا اب تک نہیں سنا؟"

"جی نہیں۔۔۔ مجھے اب تک اتفاق نہیں ہوا۔" شازیہ نے بڑی شائستگی سے کہا۔ اس پر سب لوگ شکیل سے گانے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ "آج تو مسز شکیل کے آں ر میں گانا ہو جائے۔"

"یار میرا گلا خراب ہے۔" شکیل شازیہ کے سامنے گانا نہ چاہتا تھا۔

"کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔" سب نے شور مچا دیا۔

"بھابھی جان۔ آپ ہی کچھ سفارش کر دیجیے۔" ایک شوخ سی لڑکی نے شازیہ کے قریب آ کر کہا اور شازیہ کی نظر ایک دم شکیل کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا شازیہ نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

"چلو یار شکیل، حد ہو گئی کاگی مدت سے تمہارا کوئی گانا نہیں سنا کاش میری آواز تمہاری جیسی ہوتی تو یقیناً مانو، میں سڑکوں پر گانا پھرتا۔" اس پر سب کھلکھلا کر ہسن پڑے۔ آخر سب کے مجبور کرنے پر شکیل کو گانا پڑا۔ شرر مار ہروی کی یہ غزل اس نے شروع کی۔

مانا کہ ہے شامل تیری فطرت میں ستم بھی

آئے ہیں تیری بزم میں کچھ سوچ کے ہم بھی

شازیہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ شکیل اتنا اچھا گانے کا سٹائل تو بہت ہی دلفریب تھا اور آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی۔

یہ کیسا کرشمہ ہے تیرے حسن کرم کا

بخشتا ہے زمانے سے انوکھا مجھے غم بھی

شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کی کالی کالی حسین آنکھوں میں شکوہ تھا۔

جب تک نہ ہوا حسن کی راہوں کا تعین

میں چل نہ سکا دوستو دو چار قدم بھی

"چلیے اب تو مرکز مل گیا ہے۔" کسی نے شوخی سے کہا تو مارے شرم کے شازیہ کو پسینہ آگیا۔

دریا میں رہے اور ہم اک بوند کر تر سے
کیا یاد کریں گے تیری دنیا میں تھے ہم بھی
اس شعر میں تو شکیل کی آواز میں دنیا بھر کر درد سمٹ آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی
پجاری اپنی روٹھی ہوئی دیوی کو منانے کو
لیے گارہا ہے۔ سب آواز کے سحر میں ڈوبے ہوئے تھے۔
اظہار تمنانہ کرو شہر وفا میں

کیوں کھوتے ہو احساس محبت کا بھرم بھی
وہ ایک ٹک شازیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور شازیہ اس کی بے باک نظروں سے بوکھلائی
جارہی تھی۔ شکیل نے غزل ختم کی تو کمرہ تالیوں کے شور سے گونج اٹھا سب بے حد
تعریف کر رہے تھے۔

"آج تو تم نے کمال دیا یار شکیل۔۔۔ ویسے ایک بات کے لیے میں بہت حیران ہوں کہ
تمہاری آواز میں اتنا سوز آج کہاں سے آگیا؟ پہلے تو اتنا درد نہ تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا
جس طرح کوئی بہت دلگرفتہ انسان گارہا ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں یار۔۔۔ آج میں نے صرف دل لگا کر گایا تھا۔" شکیل نے شازیہ
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اپنے پاس بیٹھی ایک لڑکی سے مسکرا مسکرا باتیں کر رہی تھی۔

"ویسے آج تم نے گایا خوب ہے۔"

"ارے بھئی چھوڑ بھی۔ تم نے مجھے پھولا کر گپا کر دیا۔" اس پر سب لوگ ہنس دیے۔
پھر کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، آخر شکیل نے جانے کی اجازت چاہی اور یہ
خوشگوار محفل برخاست ہو گئی جاتے وقت ان لوگوں نے شازیہ کو ایک پکیٹ تحفہ دیا جس
پر سبز رنگ کا کاغذ اور گوٹہ لپٹا ہوا تھا۔

"مسز شکیل ہماری طرف سے یہ معمول سا تحفہ قبول فرمائیے۔"

"شازیہ نے گھبرا شکیل کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

اس نے تحفہ لے کر شکریہ ادا کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر دونوں باہر آگئے۔ رات کوئی
سات بجے وہ گھر پہنچ گئے اور شازیہ ڈبہ گاڑی میں چھوڑ کر اندر آ گئی۔

اندر امی، رضوانہ اور عامر ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شازیہ کو آتے دیکھ کر عامر
چہکا۔

"باادب باملاحظہ ہوشیار، ملکہ عالیہ تشریف لارہی ہیں۔"

سب اس کی حرکت پر ہنس دیے۔ اتنے میں شکیل بھی گاڑی بند کر کے ڈبہ ہاتھ میں لیے
اندر داخل ہوا۔

"تم تو خاصی اچھی ایکٹنگ کر رہے ہو عامی۔"

"شکریہ جناب۔۔۔۔۔ پھر عامی شازیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔" آپ نے بہت دیر لگادی

بھا بھی دی گریٹ۔ کیسی آج کی پارٹی؟"

"اچھی تھی، کافی لوگ موجود تھے، شازیہ نے تھکن سے سر صوفے کی پشت سے ٹکاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے بھائی جان؟" رضوانہ نے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"معلوم نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں نے شازیہ کو تحفہ دیا ہے۔"

"اگر اجازت ہو تو میں کھولوں؟" عامر نے اٹھ کر کہا۔

"ان سے پوچھ لو بھی جن کی چیز ہے۔" شکیل نے مسکرا کر شازیہ کی طرف

اشارہ کیا۔

"اجازت ہے بھابھی دی گریٹ؟"

"ہاں کھول لو، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" شازیہ نے اکتاہٹ سے کہا۔ اور عامر نے ڈبہ کھول دیا۔

"اف۔۔۔۔۔ کتنا خوبصورت تحفہ ہے۔" عامر خوشی سے چلا اٹھا۔

"واقعی بہت پیاری چیز ہے۔" پاس بیٹھی رضوانہ نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی دکھاؤ، بھی کیا چیز ہے؟" شکیل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عامر نے تاج محل ڈبے سے نکال کر ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

تاج محل ہے جناب تاج محل۔۔۔ ملکہ ممتاز محل کا تاج محل!"

"بھائی جان یہ ایک چیٹ بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اجازت ہو تو پڑھ کر سناؤں۔"

"سناؤ بھئی۔"

"باادب بالملاحظہ ہوشیار۔ دل تھام کر سنیے۔" اس پر شازیہ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور سیدی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ملکہ ممتاز محل اور شاہ جہاں کی محبت کی لازوال یادگار مسٹر شکیل اور پیاری پیاری مسز شکیل کے لیے۔

دلی دعائیں

سٹاف ممبرز"

شکیل نے تاج محل شازیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیجیے جناب اپنا تحفہ!"

شازیہ نے تاج محل تھام لیا۔ اس کے دماغ میں ممتاز محل اور شاہ جہاں کی محبت اور وفا کی مثالیں گھوم گئیں۔۔۔ کتنے عظیم تھے وہ دونوں۔۔۔ آج بھی ان محبت کے متوالوں کا نام دینا کتنے احترام سے لیتی ہے۔ لوگ دور دراز کے ملکوں سے ان کی یادگار کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں آج بھی لوگوں کو ان کی محبت کی کہانی یاد ہے حالانکہ ان کو فنا ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں۔

"شاہ جہاں۔۔۔ وہ بھی تو ایک مرد تھا جس کی وفا کی داستانیں آج بھی لوگ دہراتے ہیں۔

اور آج کے یہ مرد۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں شکیل کا سراپا گھوم گیا۔

"ذلیل۔۔۔ مفاد پرست۔۔۔ بد کردار۔۔۔ ہوس

پرست۔۔۔ بد معاش۔۔۔ وحشی۔۔۔ درندہ!"

اس کا سر گھومنے لگا۔ صوفیہ بیگم اس کی بدلتی رنگت دیکھ کر پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"شازیہ بیٹی کیسی طبیعت ہے تمہاری، کچھ سست نظر آرہی ہو؟"

"ٹھیک ہے امی جاننا۔ بس ذرا تھکن ہو گئی ہے۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ جاؤ ذرا جا کر آرام کرو۔" صوفیہ بیگم نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"جی بہتر، امی جان۔" وہ واقعی اس وقت تنہائی چاہتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں صوفیہ بیگم کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"بھابھی دی گریٹ۔۔۔۔۔ بھابھی دی گریٹ!" عامر زور زور سے چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"ارے بھائی کیوں چلا رہے ہو عامر۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"میں نے نٹ لگو الیا ہے جناب۔" عامر نے قدرے جھک کر کہا۔

"کافی دیر سے باہر آپ کا انتظار کر کے آیا ہوں لیکن حضور کی سواری یاد بہاری چلنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔ کیا آج کھیلنے کا ارادہ نہیں ہے؟" عامر نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں بس آنے ہی والی تھی چلیے۔" شازیہ نے مسکرا کر کہا۔

"شکر ہے کہ آپ نے چلنے کا نام تو لیا!"

"اور وہ جناب رضوانہ صاحبہ کدھر تشریف رکھتی ہیں؟"

"وہ ابھی تھوڑی دیر بعد آتی ہیں۔ آپ تو تشریف لے چلیے۔" شازیہ جاتے جاتے پھر کھڑی ہو گئی۔

"چلیے جناب!"

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بیڈ منٹن کورٹ میں آگئے اور کھیل شروع ہو گیا۔

"بھابھی جان آج میں آپ کو جیتنے نہ دوں گا۔" عامر نے ہنس کر کہا۔

"ارے جاؤ بہت دیکھے ہیں تمہارے جیسے۔۔۔ عامی ڈیر، تم مجھ سے کبھی نہیں جیت سکو گے۔" شازیہ نے بھی ہنس کر کہا۔

"دیکھیے بھابھی۔ گرمی نہ دلائے ورنہ۔۔۔۔۔ ورنہ۔"

"کیا ورنہ، ورنہ لگا رکھا ہے۔" شازیہ نے زور سے کہا۔

"ورنہ میں ہار جاؤں گا بھابھی جان۔" عامر نے رونی صورت بنا کر کہا تو شازیہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔

"بس بس۔۔۔ بس بھئی، وہ دیکھے بھائی جان بھی آرہے ہیں۔ آج ان سے دو دو ہاتھ ہو جائیں تو مزہ ہی آجائے۔"

"نہیں۔۔۔ عامی نہیں۔" شازیہ نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں نہیں جناب۔۔۔ پہلے ہی سے ڈر گئیں، روز ہمیں شکست دیتی ہیں، بھائی جان

بیڈ منٹن پلیر ہیں۔ کھیل کا مزہ تو تب ہی آتا ہے جب برابر کی چوٹ ہو!"

وہ منع کرتی رہ گئی لیکن عامر نے شکیل کو بلا ہی لیا۔

"کیوں بھائی جان۔۔۔؟" عامر نے قریب آتے ہی شکیل کو مخاطب کر لیا۔

"کیا بھئی!"

"جا آپ کا اور بھابھی جان کی بیڈ منٹن کا مقابلہ ہو جائے روز یہ مجھے ہر ادیتی ہیں، آج دیکھتے ہیں کون ہارتا ہے؟"

"اور اگر میں ہار گیا عامی تو؟" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"آپ نے پہلے ہی بد فال منہ سے نکالنی شروع کر دی۔ دیکھے تو مقابلے میں ایک آدمی ضرور ہارتا ہے۔" پھر ہنس کر شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اور وہ یقیناً" یہ ہوں گی۔"

"تمہارا سر ہوگا۔۔۔ شریر کہیں کا۔ ابھی پتا چل جاتا ہے۔" شازیہ نے ریکٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"یار عامر۔۔۔۔ میرے لیے دعا کرنا۔ مقابلہ سخت معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کو اپنے اوپر بڑا اعتماد ہے۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"سنجھل کر بھائی جان۔۔۔ ویسے بھابی جان کھیلتی غضب کا ہیں۔"

"اچھا بھئی ڈراتے کیوں ہو۔" شکیل نے ریکٹ پکڑتے ہوئے شازیہ کی طرف دیکھا۔۔۔۔ انگوری رنگ کے پاجامے قمیص میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

شکیل ایک دلکش مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے کورٹ میں داخل ہوا اور کھیل شروع ہو گیا۔۔۔ شازیہ شکیل کو اپنے مقابل دیکھ کر پہلے پہلے تو بہت گھبرائی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد کھل کر کھیلنے لگی۔ آج وہ بہت احتیاط سے کھیل رہی تھی۔ شکیل پہلے تو یوں ہی کھیلتا رہا پھر شازیہ کا شاندار کھیل دیکھ کر محتاط ہو گیا اور دونوں طرف سے برابر کی چوٹیں پڑنے لگیں۔ لیکن جو نہی اس کی نظر شازیہ پر پڑتی۔ اس کا ہاتھ چوک جاتا جس پر عامر شور مچا دیتا۔

"یہ کیا بھائی جان۔۔۔ اگر آپ اسی طرح کھیلتے رہے تو میں دعوٰی سے

کہتا ہوں کہ آپ ہار جائیں گے اور مجھے پھر ان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

دونوں کھیل بھی رہے تھے اور عامر کی باتوں پر مسکرا بھی رہے تھے اب تک دونوں کے پوائنٹ برابر تھے۔ کوئی بھی ہارنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ شکیل کو آج پہلی بار شازیہ کے ساتھ کھیلنے کا موقع ملا تھا۔ وہ بے حد خوش تھا لیکن شازیہ مجبوراً کھیل رہی تھی اور دل ہی دل میں عامر کو کوس رہی تھی جس نے اس کو اس مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ وہ ان ہی خیالوں میں تھی کہ شکیل نے زور سے شارٹ مارا۔ شازیہ دوسری طرف مڑی ہی تھی کہ جلدی میں اس کا توازن قائم نہ رہا اور اس کا پاؤں موج کھا گیا۔ ریکٹ ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا اور وہ ہائے کر کے زمین پر پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔ شکیل اور عامر بھاگ کر قریب آ گئے۔

"کیا ہوا بھابھی جان؟"

"کچھ نہیں عامر ذرا پاؤں مڑ گیا۔" شازیہ نے کھڑے ہونے کے لیے اٹھنا چاہا لیکن ہائے اللہ کہہ کر پھر وہیں بیٹھ گئی۔

"آپ اٹھنے کی کوشش نہ کریں۔ میرا خیال ہے کہ پاؤں میں موج آگئی ہے۔" شکیل نے قریب آ کر پاؤں دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ درد سے شازیہ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"میں امی جان کو بلا کر لاتا ہوں۔" عامر فوراً اندر کی طرف بھاگا۔

"یہاں بیٹھے رہنے سے تکلیف بڑھ جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اندر چلنا چاہیے۔" شکیل نے پریشانی سے کہا۔

شازیہ نے بے بسی سے شکیل کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

"ناگوارا خاطر نہ ہو تو میرا بازو تھام کر اٹھنے کی کوشش کیجیے۔" شکیل نے اپنا بازو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

شازیہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ شکیل بازو آگے کیے کھڑا تھا۔ کوئی راستہ نہ پا کر اس نے ناگواری سے شکیل کا بازو تھام لیا اور شکیل اس کے ٹھنڈے ہاتھوں کے لمس سے بے خود سا ہو گیا لیکن شازیہ کی ہائے کی آواز سے ایک دم چونک پڑا۔

"کیا بہت درد ہے؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"جی! تکلیف سے شازیہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

شکیل بے قرار ہو گیا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو اٹھالوں۔ میرے خیال میں تو آپ ایک قدم بھی نہ چل سکیں گی۔ اور دیر ہو جانے سے اندیشہ ہے کہ چوٹ ٹھنڈی ہو کر تکلیف دے گی۔"

شازیہ نے بے بسی سے شکیل کی طرف دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

ان آنسو بھری آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا کہ شکیل بے اختیار آگے بڑھا اور اس نے بڑی آہستگی سے شازیہ کے حسین او معطر وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام لیا۔ درد سے نڈھال شازیہ نے مارے شرم کے ہونٹ دانتوں میں دبا کر آنکھیں بند کر لیں اور شکیل کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ آکاش پر اونچا بہت اونچا اڑا جا رہا ہے۔

کمرے میں آ کر اس نے بڑی آہستگی سے شازیہ کو پلنگ پر لٹا دیا اور خود جلدی جلدی بکس میں سے ضروری دوائیاں نکالنے لگا۔ اسی اثنا میں صوفیہ بیگم، رضوانہ اور عامر بھی گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

صوفیہ بیگم کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

"کیا ہو گیا میری بچی کو۔۔۔؟" صوفیہ بیگم نے گھبرا کر شازیہ کے قریب آ کر کہا۔

"کچھ نہیں امی جان۔ پاؤں میں ذرا سی موج آگئی ہے۔" شکیل نے ماں کو تسلی دی۔

"شازیہ بیٹی کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" انھوں نے اس کے ماتھے سے پسینے کے قطرے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں امی جان، آپ فکر نہ کریں۔" شازیہ نے بمشکل کہا۔

"شکیول اس کو کوئی انجکشن دے دے بیٹے دیکھو تو اس کا رنگ کیسا زرد ہو رہا ہے۔"

صوفیہ بیگم نے پیار سے اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

شکیل نے جلدی جلدی انجکشن تیار کر کے لگایا۔ پھر کوئی دوا نکال کر شازیہ کے پاؤں پر آہستہ آہستہ مالش کرنے لگا۔ شکیل کے ہاتھوں کے لمس نے شازیہ کے بدن میں ایک کرنٹ سا دوڑا دیا مگر وہ بے سدھ سی آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔

"امی جان آپ ذرا ان کے قریب آجائیں تو میں پاؤں سیدھا کر کے پٹی باندھ دوں گا۔"

"کیا بہت تکلیف ہو گی بیٹا؟"

"جی۔۔۔۔۔ بس ایک منٹ صرف۔" شکیل نے پاس پڑی ہوئی پٹی اٹھاتے ہوئے کہا۔

مگر جو نہی اس نے پاؤں کو آہستہ سے جھٹکا دیا شازیہ کی چیخ نکل گئی اور اس نے ایک دم تڑپ کر بے اختیار شکیل کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"بس کیجیے۔ خدا کے لیے بس کیجیے۔" اس کی آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے شفاف موتی دیکھ کر شکیل کو یوں لگا۔ جیسے چاندنی کا نور بارش کے قطروں میں منعکس ہو گیا ہے مگر اس کی تکلیف دیکھ کر وہ بے قرار ہو گیا اور بڑی نرمی سے بولا۔

"بس میں اب صرف پٹی باندھوں گا حوصلے سے کام لیجیے۔" پھر زیر لب مسکراتے ہوئے۔ "مہربانی کر کے یہ ہاتھ ہٹا لیجیے۔" اس نے شازیہ کے خوبصورت ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور شازیہ نے چونک کر ہاتھ اٹھا لیے پھر شکیل نے بڑی آہستگی اور پیار سے پٹی باندھ دی۔

ہاتھ دھو کر شکیل واپس آیا تو عامر ہنس کر بولا۔

"بھائی جان۔ آپ بھابھی جان سے فیس نہیں لیں گے؟"

اس پر شکیل نے حسرت سے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میرا تو سب کچھ ان ہی کا ہے پھر فیس کا کیا سوال۔۔۔۔؟"

شازیہ نے ناگواری سے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور زیر لب بڑبڑانے لگی۔

"ہونہ۔۔۔ نہ جانے کتنی لڑکیوں سے یہی الفاظ کہے ہوں گے۔ نفرت ہے مجھے ایسی ریاکاری سے۔۔۔۔"

"چلو عامر دوسرے کمرے میں چلتے ہیں ان کو آرام کرنے دو۔"

"اور ہاں امی جان ان کو نصیحت کر دیں کہ پورے آٹھ دن بالکل آرام کریں۔ رضوانہ کی ڈیوٹی لگا دیں کہ ان کی پوری نگرانی کرے۔ اگر انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی تو جوڑ پھر اپنی جگہ سے ہل جائے گا اور اس صورت میں ان کو دوبارہ اتنی ہی تکلیف ہو گی۔"

"میں تو آج ہی نٹ اور ریکٹ وغیرہ باہر پھنکواتی ہوں۔ نہ مصیبت ہوتی اور نہ میری بچی کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی۔" صوفیہ بیگم نے شکیل کی پوری بات سے بغیر کہا۔

"ارے باپ رے باپ۔ یہ غضب نہ کیجیے گا امی جان۔ ان چیزوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھابھی جان کو تو بھائی جان نے جان بوجھ کر گرایا ہے۔" عامر نے ساری بات شکیل پر تھوپ دی۔

"کیا عامر ٹھیک کہہ رہا ہے؟" شکیل تم نے شرارت سے شازیہ کو گرایا ہے؟" صوفیہ بیگم نے غصے سے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"امی جان آپ بھی کس بے ایمان کی باتوں میں آرہی ہیں جھوٹ کہہ رہا ہے یہ نالائق۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"بخدا امی جان، بھائی جان نے شارٹ مارا تھا۔ بھابھی جان سنبھل نہ سکیں اور گر گئیں۔"

"یہ شارٹ کیا بلا ہے شازیہ بیٹی، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔۔۔ اور شکیل تم نے مارا ہی کیوں؟۔۔۔ میری بچی کو پریشان کر دیا، خبردار جو آئندہ کسی نے یہ کھیل کھیلا۔" صوفیہ بیگم پورے خلوص سے شازیہ کی حمایت میں دونوں لڑکوں کو ڈانٹ رہی تھیں اور شکیل ماں کی معصومیت اور عامر کی شرارت پر زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"اچھا تم لوگ بیٹھو میں ذرا نماز پڑھ لوں۔" انھوں نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا۔ جو نہی صوفیہ بیگم کمرے سے باہر نکلیں۔ شکیل نے عامر کو گردن

سے پکڑ لیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں رے بے ایمان۔ یہ تو امی جان کے سامنے کیا کہہ رہا تھا؟"

"سچ ہی تو کہا تھا میں نے بھائی جان نے شارٹ مارا ہے۔ اب امی جان غلط سمجھیں تو اس میں مجھ غریب کا کیا قصور بھائی جان؟" عامر نے عجیب سے صورت بنا کر کہا۔ او شکیل

کی ہنسی نکل گئی۔ شازیہ بھی باوجود تکلیف ہونے کے اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ اس کو ہنستے دیکھ کر عامر کھل اٹھا۔ اور ناچتے ہوئے گانے لگا۔

"بھابھی او۔۔۔۔۔ میری بھابھی۔۔۔۔۔ تم جیو ہزاروں سال۔۔۔۔۔ بھابھی او۔۔۔۔۔ میری بھابھی!"

عامر کی اس حرکت پر سب بے اختیار ہنسنے لگے اور رضوانہ اسے پکڑ کر صوفیہ پر بیٹھاتے ہوئے بولی۔

"بس بس عامر، تمہاری سریلی آواز سن کر ابھی سب نو کر جمع ہو جائیں گے اور ہمیں یہ بتانے کی زحمت نہ کرنی پڑے گی کہ بھئی لڑائی نہیں ہو رہی ہے بلکہ عامر صاحب اپنی بھابھی کا دل بہلانے کے لیے گارہے ہیں۔"

"واہ۔۔۔۔۔ واہ بی گلہری آپا، نور جہاں تو میرے خیال میں آپ ہی ہیں۔"

پھر تینوں صوفیہ بیگم کے بلانے پر چل دیے ان کے کمرے کی طرف اور شازیہ ان کی باتوں پر کافی دیر تک مسکراتی رہی۔ آخر نیند کی مہر نان پری نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

دس پندرہ دن کے مکمل آرام اور علاج کے بعد شازیہ کا پاؤں بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن صوفیہ بیگم اب بھی اسے زیادہ چلنے اور کھیلنے سے منع کرتی تھیں۔ اس کی اس معمولی سی چوٹ پر سارا گھر پریشان نظر آتا تھا۔ عامر اور رضوانہ تو ایک منٹ کے لیے بھی اسے تنہا نہ چھوڑتے۔ عامر طرح طرح کے لطیفے سنا سنا کر اس کو ہنسایا کرتا۔ اپنے لیے ان کی حد سے

بڑھی ہوئی بے تابی دیکھ کر شازیہ کا دل اندر ہی اندر جل اٹھتا اور جلن کے ساتھ ساتھ ایک گھٹی گھٹی سی آواز دل کو سنائی دینے لگتی۔

"شازیہ۔۔۔۔۔ پیار کے یہ مضبوط بندھن توڑ کر کبھی یہاں سے نہ جاسکے گی۔۔۔۔۔ کبھی نہ جاسکے گی!"

دن یوں ہی گزرتے رہے، کوٹھی کی اوپر کی منزل صوفیہ بیگم نے تشکیل اور شازیہ کے لیے وقف کر دی تھی۔ وہ بیٹے اور بہو کی تنہائی میں محل ہونا نہ چاہتی تھی۔ یہی وجہ سے جو شازیہ اور تشکیل کے اندرونی معاملات کو کسی کو علم نہ ہو سکا۔ کیونکہ صوفیہ بیگم دل کی مریض ہونے کی وجہ سے شاز و نادر ہی اوپر جاتی تھیں۔ لیکن ایک رات تو غضب ہی ہو گیا۔

رات کو کوئی نو یا دس بجے کا وقت تھا۔ صوفیہ بیگم کو نیا فرنیچر بنوانے کا آرڈر دینا تھا۔ کھانے کی میز پر ان کو شازیہ سے بات کرنے کا خیال نہیں رہا۔ اس وقت یاد آیا تو انھوں نے سوچا کہ اس سے پوچھ لیں کہ اسے کوئی نئی چیز تو نہیں بنوانی ہے۔ وہ ہر بات میں اس سے مشورہ لینے کی عادی ہو گئی تھیں۔ اسی دھن میں وہ اوپر پہنچ گئیں۔ سامنے ہی تشکیل دیوان پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ ماں کو آتے دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا گیا۔ جلدی سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔ "او۔۔۔۔۔ امی جان آپ نے کیوں تکلیف کی اوپر آنے کی۔ مجھے نیچے بلا لیا ہوتا۔ آپ پہلے ہی بہت کمزور ہیں۔"

"اے میاں چھوڑو ان باتوں کو، دلہن کہاں ہیں؟" صوفیہ بیگم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔۔۔۔۔ جی، میرا مطلب ہے کہ وہ ابھی ابھی بیڈ روم میں گئی ہیں۔" تشکیل نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

صوفیہ بیگم نے مشکوک نظروں سے تشکیل کی طرف دیکھا اور بیڈ روم کی طرف چل دیں۔ دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ اندر سے بند تھا۔ صوفیہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟" شازیہ نے غصے سے بھری ہوئی کرخت آواز سے کہا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ مگر جو نہی اس کی نظر صوفیہ بیگم پر پڑی وہ بوکھلا گئی۔

"آ۔۔۔۔۔ امی جان آپ۔۔۔۔۔ آئے تشریف رکھیے!" آواز مٹھاس سے

اس طرح لبریز تھی جیسے کوئی کڑوی چیز کھانے کے بعد ایک دم کسی نے منہ میں شہد انڈیل دیا ہو۔ سامنے ہی تشکیل دیوان پر بیٹھا اشتیاق بھری گہری نظروں سے مسلسل شازیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک دم شازیہ کی نظریں اپنے شب خوابی کے لباس پر پڑیں اور وہ بری طرح لجا کر رہ گئی۔ گہرے نیلے رنگ کے پلے بوائے کی چھوٹی سی خوبصورت بوشرٹ تنگ موری کا پاجامہ!

لمبے لمبے کالی رات جیسے سیال کھلے بالوں نے اس کی پشت کو بالکل ڈھانپ رکھا تھا۔ اس حلیے میں وہ کوئی بھٹکی ہوئی حور لگ رہی تھی۔

آج پہلی بار وہ اس لباس میں شکیل کے سامنے آئی تھی۔ دوپٹے کی قید سے آزاد حسن بہت زیادہ قاتل ہو گیا تھا اور شکیل تو اسے یوں محویت سے دیکھے جا رہا تھا جیسے آج پہلی بار دیکھا ہو۔ صوفیہ بیگم کی آواز پر وہ چونک پڑا۔

"تمہاری آنکھیں سو جی سو جی کیوں ہیں شازیہ بیٹی؟" انھوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"م۔۔۔۔۔ میری۔۔۔۔۔ نہیں تو امی جان۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ وہ شاید نیند کی وجہ سے۔۔۔۔۔" شازیہ نے گھبرا کر آنکھوں کو ملتے ہوئے کہا۔

"میں سب جانتی ہوں۔۔۔۔۔ تمہاری یہ سو جی سو جی آنکھیں شکیل کا ڈرائنگ روم میں سونا!"

وہ ایک لمحے کے لیے رکیں پھر کہنے لگیں۔

"میں نے یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے ہیں۔" پھر شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے انھوں نے ذرا غصے میں کہا۔

"شکیل جلدی بتاؤ کیا بات ہے۔ کیا کہا ہے تم نے دلہن کو اور تم کیوں آپس میں ناراض ہو؟"

شکیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو انھوں نے کہا۔

"میں جانتی ہوں تم نے ضرور کچھ کہا ہوگا۔ ورنہ میری بیٹی ایسی نہیں ہے!"

دونوں بے حد پریشان اور گھبرائے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ کیا جواب دیں۔

"بولو شکیل!" صوفیہ بیگم نے دوبارہ پوچھا۔

"چپ کیوں ہو کچھ تو کہو۔"

"امی جان ہماری بالکل لڑائی نہیں ہوئی۔" شکیل نے گھبرا کر کہا۔

"تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔" پھر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے انھوں نے شازیہ سے پوچھا۔

"تم ہی بتاؤ۔ اس نے تم سے لڑائی کی ہے نا!"

"جی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ جی۔" گھبراہٹ میں شازیہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں ہاں بتاؤ شاباش۔۔۔۔۔"

"جی ہاں۔۔۔۔۔ جی نہیں تو!" شازیہ نے گھبرا کر کہا۔

"میں سمجھ گئی۔۔۔۔۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا بیٹی، میں ابھی اس کو درست کرتی ہوں۔" پھر وہ شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"شکیل؟"

"جی امی جان!"

"چلو شازیہ سے معافی مانگو!"

"جی۔۔۔۔۔ امی۔" شکیل نے حیرانگی سے کہا۔

ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے کہہ دیا۔

"دیکھو شکیل کان کھول کر سن لو۔۔۔ خبردار جو آئندہ میری بہو کو کچھ کہا۔ لاکھوں میں ایک ہے میری بیٹی! " صوفیہ بیگم نے شازیہ کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ جو میں کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔" صوفیہ بیگم نے تشکیل کی پوری بات سننے بغیر کہا۔

"میں جانتی ہوں غلطی تمھاری ہی ہوگی۔ میری بیٹی۔ ایسی نہیں ہے۔" صوفیہ بیگم نے پیار بھری نظروں سے بہو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شازیہ اس نئی صورت حال سے پریشان سی کھڑی تھی اور حیران حیران نظروں سے دونوں ماں بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ تشکیل نے جب دیکھا کہ معاملہ اس طرح ختم ہونے کا نہیں تو وہ شازیہ کے قریب آیا اور شازیہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ تشکیل اس گھبراہٹ پر زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھے معاف کر دیجیے۔۔۔" اس کے ہونٹوں پر ایک بڑی دلنشین مسکراہٹ تھی۔

"بیگم کہتے ہوئے لاج آتی ہے کیا۔۔۔!" صوفیہ بیگم نے ڈانٹ کر کہا۔

"معاف کر دیجیے۔۔۔ ب۔۔۔ ی۔۔۔ بیگم صاحبہ۔۔۔ اور ہاں ہمیشہ کے لیے۔" شکیل کی آنکھوں میں ایک مستی اور شرارت کی چمک تھی۔

شازیہ شرم سے سرخ ہو گئی تھی اور پریشان سی نظریں جھکائے کھڑی تھی

"کہہ دو بیٹی شازی۔۔۔ کہ معاف کیا میں نے۔"

"جی۔۔۔۔۔ ما۔۔۔۔۔ ما۔۔۔۔۔ معاف کیا۔" شازیہ نے گھبرا کر ماتھے پر آیا
ہوا پسینہ پونچھتے ہوئے کہہ دیا۔

"دیکھو شکیل کان کھول کر سن لو۔۔۔ خبردار جو آئندہ میری بہو کو کچھ کہا۔ لاکھوں میں ایک ہے میری بیٹی! " صوفیہ بیگم نے شازیہ کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"کاش۔۔۔ اپنی بھی ایسی ہی قسمت ہوتی!" شکیل نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر ماں کی طرف دیکھتا ہوئے کہا جواب تک شازیہ کو لیٹائے کھڑی تھیں۔

"جلو نہیں۔۔۔" صوفیہ بیگم نے دوسرے ہاتھ سے شکیل کو بھی اپنے سے پٹا لیا اور بولیں۔

"میرے لیے دم دونوں برابر ہو۔۔۔ اگر تم میرے گھر کا چاہو تو شازیہ بیٹی میرے گھر کی روشنی ہے۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے!"

"آمین۔۔۔!" شکیل نے جلدی سے کہا پھر شازیہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "دیکھئے امی جان۔ انھوں نے آمین نہیں کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا دل ابھی صاف نہیں ہوا۔"

"چل ہٹ شریر کہیں کے، میری بیٹی کنیہ پرور نہیں ہو سکتی۔ اچھا بھئی اب میں نیچے چلتی ہوں۔ جاؤ بیٹی تم بھی آرام۔۔۔۔۔ اور ہاں جس کام کے لیے آئی تھی، وہ تو بتایا ہی

نہیں۔۔۔ شازیہ بیٹی فرنیچر میں اگر

کوئی چیز بنوانی ہو یا تبدیل کرنی ہو تو صبح بتا دینا!"

"جی، اچھا!"

"چلیے امی جان میں آپ کو نیچے چھوڑ آؤں۔" شکیل نے ماں کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔
صوفیہ بیگم کو نیچے چھوڑ کر وہ جب واپس آیا تو شازیہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور دروازہ
کسی بیوہ کے نصیب کی طرح بند ہو چکا تھا۔ شکیل نے بڑے کرب سے سوچا۔
"کیا یہ بہار صرف چند منٹ کی تھی؟"

خیال کا دھارا بہتا گیا اور شکیل کی سوچیں اس میں بڑی تیز رفتاری سے ڈوبتی رہیں۔
"سب لوگ میری قسمت پر رشک کرتے ہیں۔
شازیہ مجھ سے کتنی دور ہے، یہ دوری کبھی ختم بھی ہوگی یا نہیں۔
کوئی امید نظر نہیں آتی۔"

کیا میری قسمت کے آکاش پر کبھی کوئی ستارہ چمکے گا؟
"خداوند۔۔۔۔۔ کیا میرا گناہ اتنا سنگین ہے۔ کیا اس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی؟"
"کیا میں ساری عمر یونہی تڑپتا رہوں گا؟" اس کا دماغ سلگ اٹھا۔
"شازیہ کے پہلو میں شاید دل نہیں پتھر ہے۔"

"وہ بڑی بے رحم ہے۔"

"وہ بہت بے حس ہے۔"

پھر اس کا دل کانپ اٹھا۔۔۔۔۔ "نہیں نہیں وہ ایسی نہیں ہو سکتی۔ وہ میری پہنچ سے بہت
اوپر ہے۔ میں ہی اس کے قابل نہیں ہوں۔"

اس کی اتنی مہربانی کیا کم ہے کہ میرے گھر میں رہ رہی ہے، میری ماں کی وہ بے انتہا
عزت کرتی ہے۔۔۔ اگر وہ چلی جاتی تو میں کیا کر سکتا تھا۔۔۔ وہ حق بجانب ہے۔"
"چلو میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس کو دیکھ تو لیتا ہوں، دل کسی قیمت پر بھی
شازیہ کو ظالم نہ کہتا اور وہ دل کی اس پکار پر سسک اٹھا۔"

"یا اللہ پاک تو پتھر میں جان ڈال سکتا ہے۔ شازیہ کے دل میں بھی میرا پیار ڈال
دے۔۔۔ یا میرے دل سے اس کی تصویر مٹا دے۔"

"میرا گناہ اب معاف کر دے مولا۔۔۔ یا پھر مجھے اس دنیا سے اٹھالے، مجھے ایسی زندگی
نہیں چاہیے جس میں دن میں کئی کئی بار مرنا پڑتا ہے!"

ان ہی پریشان خیالات کی پورش میں وہ کافی دیر تک جاگتا رہا اور کسی ماہی بے آب کی
طرح تڑپتا رہا۔۔۔ آخر نیند کو اس پر رحم آگیا اور وہ سوتے میں بھی شازیہ ہی کے خواب
دیکھتا رہا۔۔۔ اور کئی بار اس کے ک منہ سے شازیہ شازیہ کی پکار خاموش اور پتھر کی بنی
ہوئی دیواروں نے بھی سنی۔

گھر میں کئی دنوں سے رضوانہ کی منگنی کی بات چیت ہو رہی تھی۔ بات رشتہ داروں میں
ہی ہو رہی تھی۔ سب کچھ دیکھا بھالا تھا۔ صوفیہ بیگم شازیہ کو لے کر لڑکا بھی پسند کر آئی
تھیں۔

لڑکے کی ماں رشتے میں شکیل کے باپ کی بھانجی لگتیں تھیں اور اس رشتے کی بے حد
خواہش مند تھیں۔ ان کی خواہش دیکھ کر شکیل کی ماں نے ہاں کر دی تھی۔ لڑکا تعلیم

"شَا_____ز_____می؟"

شکیل کی آواز پر وہ پلٹ پڑی۔

"لیکن رضوانہ نے تو نیلی ساڑھی پر لیس کر دی ہے۔"

ان نظروں میں خدا جانے کیسا جادو تھا کہ چند لمحوں کے لیے شازیہ کھو سی گئی اور خاموش بجھا بجھا سا داس شکیل اس کو بہت اچھا لگا۔ پہلی بار وہ اسے مسحور ہو کر دیکھتی رہی حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پھر اپنی اس محویت پر وہ خود ہی جھنجھلا اٹھی۔

"یہ کیا حماقت تھی۔۔۔۔ یہ میں کیا سوچنے لگی تھی۔۔۔۔ میرا اس سے کیا واسطہ ہے؟"

ہاتھوں میں بہت سے پھول پکڑے وہ سرخ و سیفد سی لڑکی خود بھی شکیل کو گلاب کا تروتازہ پھول ہی لگ رہی تھی، شکیل سنبھل کر بولا۔

اور پھر جلدی جلدی قدم اٹھاتی وہ اپنے کمرے کی طرف چل دی وقت واقعی بہت کم رہ گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ ہلکا ہلکا میک اپ کیا جس نے اس کے حسن کو اور بھی دو آتشہ کر دیا۔ اور ایک ایک زیور پہن کر وہ صوفیہ بیگم کے کمرے کی طرف چل دی۔

لیکن کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے باہر آتے ہوئی کسی سے بڑی طرح ٹکرا گئی۔ توازن قائم رکھنے کے لیے سنبھلی مگر لہرا گئی اور سہارا دینے والے ہاتھوں کو منظبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر تشکیل کو اپنے اسے اتنے قریب دیکھ کر اس نے جلدی سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے اور پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس اچانک ٹکراؤ سے وہ حواس باختہ ہو رہی تھی۔ تشکیل نے سر سے پاؤں تک تعریفی نظروں سے اسے دیکھا اور زیر لب مسکرا کر بولا۔

چشم بدور۔۔۔ آپ گرتے گرتے بچی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ اپنے اوپر سے کچھ صدقہ دے دیجیے!"

"مجھے اپنے متعلق اتنی خوش فہمی نہیں ہے۔" شازیہ نے منہ پھر کر ناگوارنی سے کہا اور پردہ اٹھا کر جلدی سے اندر چلی گئی۔ صوفیہ بیگم اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں اور انھوں نے زبردستی اسے ایک ایک زیور پہنا دیا تھوڑی دیر بعد تشکیل بھی لباس تبدیل کر کے وہیں آگیا۔ شارک سکن کے کریم کلر کے سوٹ میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔

صوفیہ بیگم نے دیکھا اور نظر لگ جانے کے خیال سے جلدی سے آنکھیں نیچی کر لیں پھر پیار سے بولیں۔

"آؤ بیٹا آؤ۔۔۔ آج تم دونوں کو میری نظر نہ لگ جائے۔ چشم بدور۔"

"امی جان میرے لیے تو آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن ان کے لیے نہیں۔۔۔۔۔" اس نے شرارت بھری آنکھوں سے شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں، شریر کہیں کا۔۔۔ میری بیٹی تجھ سے ہزار درجے زیادہ خوبصورت ہے!"

"سچ میچ امی جان؟"

"تو اور کیا میں جھوٹ بولوں گی۔۔۔ اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ وہ لوگ اب آنے ہی والے ہوں گے۔" پھر انھوں نے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "شازیہ بیٹی۔ تم دونوں جا کر مہمانوں کو ریسو کرو!"

"میں امی جان۔۔۔؟" شازیہ نے گھبرا کر کہا۔

"میرے خیال میں تو آپ اس کے لیے زیادہ مناسب ہیں۔۔۔" وہ تشکیل کے ساتھ جاننا نہ چاہتی تھی اس لیے بہانہ بنا رہی تھی۔

"نہیں بیٹی۔۔۔ میں اتنی دیر کھڑی نہ رہ سکوں گی۔ تم لوگ ابھی جوان ہو، جاؤ شاباش، میری بیٹی بہت اچھی ہے۔"

بادل ناخواستہ شازیہ کو شکیل کے ساتھ باہر گیٹ پر جانا پڑا اور دونوں کو ساتھ ساتھ جانے دیکھ کر ماں نے دعادی۔

"یا اللہ میرے بچوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھیو۔۔۔!"

"آمین ثم آمین!" شکیل نے جان بوجھ کر شازیہ کے قریب ہو کر کہا۔

مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد رضوانہ کے سسرال والے بھی آ گئے۔ مگر سلمی بیگم اب تک نہ آئی تھیں۔ شازیہ بے چینی سے بار بار سامنے کی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شکیل اس کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرے خیال میں آپ امی جان کے انتظار میں ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو جا کر لے آؤں؟" شکیل نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"نہیں، وہ آتی ہی ہوں گی۔ آپ کو یہاں کافی کام ہے۔"

ابھی اس نے بات پوری بھی نہ کی تھی کہ اسے اپنی گاڑی دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ ماں باپ کو آتے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ ایک دم بول اٹھی۔

"بیجے وہ آ گئے!"

اتنے میں وہ لوگ قریب آ گئے۔ شازیہ گاڑی سے اترتے ہی ماں سے لپٹ گئی۔ امجد قاری نے بڑے پیار سے شکیل کو گلے لگالیا اور دیر سے آنے کی معذرت کرنے لگے۔ شازیہ سے فارغ ہو کر سلمی بیگم نے شکیل کو پیار کیا اور خیریت پوچھنے لگیں۔

سب مہمان آچکے تھے خوشی خوشی سب باتیں کر رہے تھے۔ شازیہ کا پاؤں زمین پر نہ لگ رہا تھا، وہ تتلی کی مانند ادھر ادھر اڑتی پھر رہی تھی۔ ہر طرف بیٹی کا راج دیکھ کر شازیہ کی ماں خوشی سے پھولی نہ سمار ہی تھیں شکیل کو کئی بار پاس بلا کر پیار کر چکی تھیں۔

شازیہ ماں کے قریب بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ شکیل قریب آ کر بولا۔

"شازی۔۔۔ آپ کو امی جان بلا رہی ہیں۔" وہ پلٹی اور صوفیہ بیگم کے قریب آ کر بولی۔

"جی امی جان۔۔۔ فرمائے آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں، بیٹی رضوانہ کو لے آؤ۔۔۔ عالیہ بہن انگوٹھی پہنانا چاہتی ہیں۔"

"جی بہتر۔۔۔ میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی رضوانہ کے کمرے کی طرف جانے لگی تو شکیل نے ایک دم آگے آ کر راستہ روک لیا اور شرارت سے بولا۔

"آج آپ بہت خوش نظر آ رہی ہیں، کیا رضوانہ کے ساتھ آپ کو بھی کچھ ملے گا؟"

"کیا میری خوشی آپ کو پسند نہیں آئی۔۔۔؟" شازیہ نے ناگواری سے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔ میں تو آپ کو ہمیشہ اسی طرح مسکراتا ہی دیکھنا چاہتا ہوں لیکن یہ بات میرے بس میں نہیں ہے۔"

وہ اس کی پوری بات سنے بغیر آگے برہ گئی اور شکیل حسرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

رضوانہ کے سسرال والے زیوروں کا ایک بہت ہی خوبصورت سیٹ ایک سرخ بنارسی ساڑھی اور ایک پیازی رنگ کا غرارہ سوٹ لے کر آئے تھے۔ رضوانہ وہی غرارہ سوٹ پہنے ہوئے تھی اور ہلکے میک اپ اور زیورات میں اس کا معصوم حسن بہت حسین وگیا تھا۔ شازیہ اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوئی جارہی تھی اس نے اسے لا کر صوفیہ بیگم کے قریب صوفیہ پر بٹھا دیا اور کہا۔

"دیکھے امی جان۔ رضویاری تو آج پہچانی نہیں جا رہی ہے۔" پھر رضوانہ کی ساس کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر بولی۔

"دیکھیے خالہ جان، میری بہن کتنی خوبصورت ہے۔ اس کا بہت بہت خیال رکھیے گا۔" اللہ دونوں کو سلامت رکھے اور وہ وقت خیر کے ساتھ آئے بیٹی! "پھر انھوں نے رضوانہ کے ہاتھ میں انگوٹھی ڈال دی۔

سب نے مبارک باد دی اور رات کے کھانے کے بعد پر مسرت تقریب ختم ہو گئی۔ رضوانہ کی منگنی کو کئی دن گزر چکے گھے۔ سب اپنے اپنے مشاغل میں مگن تھے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ فضا میں رات کی رانی اور موتیے کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ہوا ٹھنڈی اور معطر ہو رہی تھی۔

برآمدے میں شازیہ ایک کتاب ہاتھ میں لیے کرسی میں دھنسی بیٹھی تھی کتاب پڑھنے میں وہ اتنی محو تھی کہ اسے صوفیہ بیگم کے آنے کی بھی خبر تک نہ ہوئی۔ صوفیہ بیگم اس کی محویت پر مسکرا کر بولیں۔

"شازیہ بیٹی؟"

صوفیہ بیگم کی آواز پر وہ چونک پڑی اور مسکرا کر کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔

"جی۔۔۔ امی جان!"

"آج کیا چائے پینے کا ارادہ نہیں ہے بیٹی۔۔۔؟" صوفیہ بیگم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ۔ مجھے تو آج بالکل خیال ہی نہیں رہا۔ آپ نے چائے پی لی ہے یا منگواؤں؟" اس نے کھڑے ہوتے ہوئی کہا۔

"بیٹھو بیٹی۔۔۔ میں نے کریم کو یہیں چائے لانے کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"آپ کتنی اچھی ہیں امی جان۔۔۔۔۔ سچ میرا دل بھی یہیں بیٹھ کر چائے پینے کو چاہ رہا تھا!"

"آپ نے یاد فرمایا امی جان۔۔۔؟" شکیل نے سامنے کے دروازے سے آتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹا۔۔۔ بیٹھو چائے کے لیے بلایا تھا۔"

"شکیل ایک اچھٹی سی نظر شازیہ پر ڈال کر قریبی کرسی پر بیٹھنے کو ہی تھا کہ اس کی نظر کتاب پر پڑ گئی۔ موٹے موٹے حروف میں "پتھر دل" لکھا تھا۔

"پتھر دل۔۔۔ ارے توبہ!"

پھر اس نے کرسی پر بیٹھنے کے لیے قدرے جھک کر نہایت آہستہ سے سرگوشی کی۔

"آگے کیا کچھ ہیں، جو اس قسم کے خطرناک ناول پڑھتی ہیں۔" اسی اثنا میں کریم چائے لے کر آگیا۔ صوفیہ بیگم بولیں۔

"شازیہ بیٹی۔ چائے تو بناؤ!"

شازیہ نے چائے بنا کر پہلے صوفیہ بیگم کو دی، پھر شکیل کو پیالی دتے ہوئے نہ جانے کیا ہوا کہ اس کا ہاتھ کانپ گیا اور گرم گرم چائے ہاتھ پر گر پڑی۔۔۔ اور پیار پھسلتی ہوئی شکیل کے پاؤں پر آرہی۔

سی کی ایک آواز کے ساتھ ہی شکیل نے تڑپ کر شازیہ کا جلا ہوا ہاتھ اپنے دونوں ٹھنڈے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کو دباتے ہوئے آستہ سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی!"

"شازیہ بیٹی، ہاتھ زیادہ تو نہیں جلا!"

"نہیں امی جان۔۔۔ بس ذرا جلن محسوس ہو رہی ہے۔" شازیہ نے گھبرا کر جلدی سے اپنا ہاتھ شکیل کے ہاتھوں سے نکال لیا۔

ٹھیرے۔۔۔ میں دوالاتا ہوں، صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔" شکیل نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیوب لے آیا۔۔۔ "ہاتھ ادھر کیجیے، میں دوائی لگا دوں۔"

"میں خود لگائے لیتی ہوں، آپ چائے پیس۔" شازیہ نے پیالی اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

شکیل نے بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا اور ٹیوب اس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹیوب پکڑتے ہوئے شازیہ کی انگلیوں کے پورا اس کے ہاتھ سے چھو گئے، غیر ارادی طور پر اس نے شکیل کی طرف دیکھا اور اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے دو کالی کالی آنکھیں اس سے کچھ کہہ رہی ہوں۔

"اگر میں ہی دوا لگا دیتا تو کیا ہو جاتا۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

شازیہ نے ان کالی کالی شریر آنکھوں سے بچنے کے لیے آنکھیں جھکا لیں اور ٹیوب کھول کر دوا ہاتھ پر لگانے لگی۔

"رات سونے سے پہلے یہ دوا ایک بار پھر لگالیں۔" شکیل نے چائے

کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا۔۔۔" اس نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

اتنے میں ایک گاڑی آ کر ٹھہری جس کی آواز پر اس نے نظر اٹھا کر گیٹ کی طرف دیکھا اور خوشی سے بے اختیار چلا اٹھی۔

"انکل حامد!"

وہ بھاگتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھ آئی اور حامد گاڑی روک کر باہر نکل آیا تو وہ بالکل بچوں کی طرح اس سے لپٹ کر رو دی۔

"انکل۔ آپ بہت برے ہیں۔ کبھی میرے گھر نہیں آئے۔ میں آپ سے بہت ناراض

ہوں۔"

"ارے بھئی ناراضگی بعد میں بتالیاں۔ پہلے مجھے شکیل صاحب سے تو ملنے دو۔" حامد نے شکیل کو آتے دیکھ کر کہا۔

"کیا حال چال ہے جی۔۔۔" حامد نے شکیل سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"بالکل خیریت ہے، آپ کے آنے سے بے حد خوشی ہوئی۔" شکیل کے چہرے پر ایک بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "شاید ان کو آپ کے آنے کی خوشی نہیں ہوئی جو رونا شروع کر دیا۔"

"ارے۔۔۔ ارے بس بھئی۔ کیوں، قیمتی موتی مفت میں لٹا رہی ہو۔ حامد نے شازیہ کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ پھر صوفیہ بیگم پر نظر پڑتے ہی وہ ادھر بھڑھا اور ان کو بڑے ادب سے سلام کیا۔۔۔ انھوں نے اٹھ کر پیار سے

دیکھتے ہوئے خوب خوب دعائیں دیں۔

"انکل گھر میں تو سب خیرت ہے نا۔۔۔" شازیہ خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔

"بالکل، تم اپنی سناؤ۔ بھیا اور بھابھی جان تمہیں بہت پوچھ رہے تھے۔"

"آپ کب لاہور آئے ہیں؟"

"میں کل یہاں پہنچا ہوں اور آج تم سے ملنے آگیا۔" حامد نے ہنس کر کہا۔

"اچھا بچو، تم لوگ باتیں کرو میں ذرا باورچی خانے تک جا رہی ہوں۔" صوفیہ بیگم نے اندر جاتے ہوئے کہا۔

"امی جان رضوانہ اور عامر کو ادھر بھیج دیجیے۔ انکل حامد ان سے مل کر یقیناً خوش ہوں گے۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

"چلیے انکل۔ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ یہاں تو اب اندھیرا ہونے لگا ہے۔" شازیہ نے حامد کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اندھیرے سے تمہیں ڈر لگتا ہے۔" حامد نے مسکرا کر شازیہ کو چھیڑا۔

"ایسے ہی۔۔۔ میں تو اب بالکل نہیں ڈرتی۔" شازیہ نے جھینپ کر کہا۔

"کیوں شکیل صاحب۔۔۔ کیا شازی ٹھیک کہہ رہی ہے۔" حامد نے ہنستے ہوئے شکیل سے پوچھا۔

"اجی صاحب۔۔۔ اندھیرا کیا چیز ہے۔ یہ تو مجھ سے بھی نہیں ڈرتیں۔" شکیل نے مسکرا کر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کوئی جن ہیں جو میں آپ سے ڈروں۔۔۔؟" شازیہ نے ناگواری سے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شکیل کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ حامد بول اٹھا۔

"شازیہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جن اتنا خوبصورت نہیں ہوتا! "حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چھوڑیے ان فضول باتوں کو۔ مجھے یہ بتائیے کہ اتنا عرصہ بعد ہم غریبوں کی یاد کسی طرح آگئی۔" شازیہ نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ میں بعد بتاؤں گا۔ اس کو بتاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔" حامد نے تمسخر سے شرماتے ہوئے کہا۔

"نہیں انکل، پہلے بتائیے نا۔۔۔" وہ منہ کھولے ہوئے بچوں کی طرح حامد کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ منہ کھولے اور ضد کرتی ہوئی شازیہ شکیل کو پہلے سے کہیں اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک خواہش مچلی۔

"کاش۔۔۔ شازیہ نے اس طرح ہاتھ تھام کر کوئی بات مجھ سے پوچھی ہوتی۔۔۔ کتنا مزا آتا، میں خدا سے دعا مانگتا کہ وہ ایسے لمحوں کو وہیں روک دے!" شکیل کھوسا گیا لیکن حامد کی آواز سے وہ پھر ہوش کی دنیا میں آگیا۔

"شکیل صاحب۔ خدا کے لیے اس آفت کی پرکالہ بیوی سے مجھے بچائیے اس نے تو بول بول کر میرے سر میں درد پیدا کر دیا ہے۔"

"دیکھے۔۔۔ آپ بھی تو تنگ کر رہے ہیں انھیں، بتا ہی دے نا وہ بات، میں بھی سننے کے لیے ہم تن گوش ہوں۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"اوہ۔۔۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ بھلا آپ شازیہ کے خلاف کیسے ہو سکتے ہیں۔" حامد نے ایک قہقہہ لگایا۔

"بجائے فرمایا آپ نے، میری بھلا کیا مجال ہے جو میں ان کے خلاف کچھ کہہ سکوں۔ ان سے پہلے تو امی جان میری جان کو آ جاتی ہیں۔ بڑی مشکل میں ہوں میں ہوں حامد صاحب۔" شکیل نے رونی صورت بناتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے شکیل صاحب!"
 "آپ دوا ایک جیسے مل گئے ہیں، بیٹھ کر خوب باتیں کیجیے، میں تو جاتی ہوں، کوئی میری بات ہی نہیں مانتا۔۔۔" شازیہ نے مسکرا کر سچ مچ اٹھتے ہوئے کہا۔
 "ارے نہیں نہیں۔۔۔ بیٹھو بھئی۔ میں وہ بات بتائے دیتا ہوں۔" حامد نے ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے۔۔۔ بات یہ ہے کہ اگلی اتوار کو مابدولت کی شادی خانہ آبادی ہو رہی ہے اور میں آپ سب کو لینے آیا ہوں!"
 "سچ انکل۔۔۔؟" شازیہ حامد سے لپٹ گئی۔

"بالکل سچ۔ بھلا! اس میں جھوٹ بولنے والی کون سی بات ہے۔"
 "اوہ۔۔۔ ٹھہریے میں امی جان کو بتا کر آتی ہوں۔" اور وہ ہوا کے لطیف جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔
 "پگلی۔۔۔!"

پھر حامد نے اس کو تیز تیز جاتے دیکھ کر کہا۔
 "ارے آہستہ آہستہ، کہیں گرنہ جانا۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ باد صبا کی طرح اندر آتے ہوئے بولی۔
 "چلیے کھانا تیار ہے!"

"پریس رپورٹر صاحب خبر پہنچائیں یا نہیں؟" حامد نے اس کی لمبی چوٹی پکڑ کر پوچھا۔

"انکل۔۔۔!" شازیہ چیخی۔

"امی جان کب جارہی ہیں پنڈی۔۔۔؟" تھوڑی دیر بعد شازیہ نے پوچھا۔

"وہ تو صبح چلی بھی گئیں، روبی کی والدہ نے بلایا تھا۔" حامد نے جواب دیا۔

"چلیے اٹھیے نا!" شازیہ نے پھر کہا۔ اور وہ دونوں اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیے۔ میز پر

انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ صوفیہ بیگم اصرار کر کے سب کو کھلا رہی

تھیں۔ خوشگوار ماحول میں سب نے مزے لے لے کر کھانا کھایا۔۔۔ پھر کافی کا دور چلا

اور سب سونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلیے انکل، میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔۔۔ اور ہاں ایک بات یاد رکھیں، صبح ذرا

جلدی اٹھیے گا، میں آپ کو اپنا باغ دکھاؤں گی، کافی پودے میں نے اور رضوانہ نے اپنے

ہاتھ سے لگائے ہیں۔"

"بہت اچھا جناب۔۔۔ صبح تمہارا باغ ضرور دیکھیں گے۔" حامد نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"اب تو سونے کا راستہ دکھاؤ، سخت نیند آرہی ہے۔"

"چلیے۔۔۔" اور وہ اس کے ساتھ چل دی۔۔۔ چلتے چلتے دونوں باتیں بھی کرتے جارہے

تھے۔

"تمہیں اپنے گھر میں خوش و خرم دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔ شازیہ۔۔۔ اللہ کا

شکر ہے کہ اس نے تمہیں ایسے محبت کرنے والے لوگ عطا فرمائے اور تشکیل صاحب

سے تو میں بہت ہی متاثر ہوا۔ بڑے مہذب اور خوش اخلاق ہیں۔"

"بس بس انکل۔۔۔ بہت قصیدہ خوانی ہو چکی۔" شازیہ نے حامد کی بات پوری ہونے

سے پہلے کاٹ دی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں نکمی لڑکی؟"

"برے تو صرف ہم ہی ہیں اور تو سب بہت اچھے ہیں۔۔۔ اچھارات کافی ہو گئی ہے، اب

آرام فرمائیے، بندی اب رخصت ہوتی ہے۔"

"شب بخیر انکل!"

"شب بخیر۔"

وہ حامد کی باتوں کے تانے بانے میں الجھی جب اوپر پہنچی تو تشکیل جاگ رہا تھا۔ دیوان پر نیم

دراز وہ کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی شازیہ کو حامد کے کہے ہوئے الفاظ یاد

آگئے۔

"وہ بڑے مہذب اور خوش اخلاق ہیں۔"

"اونہ۔۔۔ مہذب!"

شازیہ نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ زور سے بند کر

لیا۔

شازیہ صبح بہت جلدی اٹھنے کی عادی تھی۔ اذان کی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل

گئی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا، نماز اور کلام پاک کی تلاوت کے بعد وہ سلیپنگ سوٹ پر ہی

ہلکا سا گاؤں پہن کر حامد کے کمرے کی طرف چل گئی۔

"انکل حامد۔۔۔ انکل حامد۔ میں اندر آ جاؤں؟" شازیہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور ضرور میں غسل خانے میں تھا شازی۔۔۔ تمہیں زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟" حامد نے تویلیے سے منہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں وہ شکیل صاحب کدھر ہیں۔" "وہ۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ وہ تو ابھی سو رہے ہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"انہیں جگا کر لاؤ بھئی۔۔۔ میں اتنی دیر میں تیار ہوتا ہوں۔ ان کے بغیر کیا خاک مرہ آئے گا۔ ویسے تو ہے بڑی قسمت والی شازی۔۔۔ جو تجھے ایسا لائق اور دلچسپ شوہر ملا ہے۔ ایسے آدمی دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔"

"ہو گئی قصیدہ خوانی یا ابھی کچھ اور کہنا ہے۔ جب سے آئے ہیں ان کے ہی گیت گارہے ہیں۔" شازیہ نے ناگواری سے منہ پھولا کر کہا۔

"بالکل سچ کہہ رہا ہوں شازی! دل میں تو تو بھی بہت خوش ہو رہی ہو گی۔۔۔ اوپر سے رعب ڈال رہی ہے۔ اچھا جاؤ بھئی انہیں جگا کر لاؤ۔ ورنہ میں نہیں جانے کا۔"

شازیہ بادل نخواستہ واپس اوپر آ گئی۔ شکیل ابھی تک سو رہا تھا۔ سیاہ گھنگریالے بالوں نے اس کی بلند اور شفاف پیشانی کو قدرے ڈھانپ رکھا تھا۔ ایک ہاتھ پہلو میں اور دوسرا ہاتھ منہ کے قریب تکیے پر رکھے لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ لیے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ شازیہ ایک عجیب شش و پنج میں تھی کہ اس کو کس طرح جگائے۔ کافی دیر کھڑے رہنے کے بعد آخر ہمت کر کے وہ آگے بڑھی اور سرہانے کے قریب جا کر دھیمی آواز میں بولی۔

"شکیل۔۔۔ صاحب!"

"ش۔۔۔ شکیل صاحب!"

لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر ذرا اونچی آواز میں قدرے جھک کر بولی۔

"شکیل صاحب!"

"شکیل صاحب!"

"کون؟" اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا اور شازیہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے آ۔۔۔ آپ شازی۔۔۔! میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔" پھر وہ آنکھیں مل کر نگاہوں پر اعتبار کرنے کی اداکاری کرنے لگا۔

"آپ کو انکل حامد بلارہے ہیں۔ باہر باغ میں جانا چاہتے ہیں۔" شازیہ نے جانے کے لیے مڑتے ہوئے کہا۔ عین اسی وقت حامد کی آواز سنائی دی۔

"میں اندر آ جاؤں۔۔۔؟"

"ضرور۔ ضرور اجازت کی کیا ضرورت تھی حامد صاحب! آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔ تشریف لائیے۔" شکیل نے خوش اخلاقی سے کرسی آگے کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بھائی کیا باغ دکھانے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں نے تو کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے اسی طرح رات کے کپڑوں میں بھاگا آیا ہوں۔ کہ کہیں یہ میری پیاری سی بھتیجی ناراض نہ ہو جائے۔ آپ بھی اسی طرح چلے چلیے!"

"ابھی لیجیے جناب۔۔۔ آج تو میری نماز بھی قضا ہو گئی۔ نہ جانے خواب میں کیا کیا دیکھتا رہا۔" شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے دو منٹ لوں گا۔ صرف برش کر لوں بس چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی برش کیا اور واپس آتے ہوئے بولا۔

"چلیے۔۔۔ بندہ حاضر ہے!"

"میرا خیال ہے کہ آپ ہلکا سا گاؤں پہن لیں۔ موسم آج کل اچھا نہیں ہے پھر بارش کے آثار بھی ہیں۔ شازی ڈیئر جلدی سے ان کا گاؤں تو لے آؤ، شاباش۔" حامد نے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور شازیہ گھبرا کر سوالیہ نظروں سے شکیل کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ اس کی گھبراہٹ کا مطلب سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"رات میں نے شاید باتھ روم میں لٹکایا تھا۔"

شازیہ بددلی سے باتھ روم کی طرف چل دی اور تھوڑی دیر بعد قرمزی رنگ کا گاؤں، جس پر سفید ڈوری لگی ہوئی تھی، اپنے ہاتھ میں لیے آگئی۔

"لیجیے۔۔۔" اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔

شکیل نے موقع غنیمت جانتے ہوئے شرارت سے اپنا بازو شازیہ کے آگے کر دیا اور مدھم آواز میں بولا۔

"مہربانی کر کے پہنا بھی دیجیے۔"

شازیہ نے غصے سے شکیل کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر حامد پر نظر پڑتے ہی زبردستی مسکرا دی۔ اور گھبرا کر اس نے کانپتے ہاتھوں سے گاؤں شکیل کو پہنا دیا۔

"شکدہ یہ۔۔۔" شکیل کے لبوں پر ایک بڑی شریر اور دلنشین مسکراہٹ تھی۔ شازیہ نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور گھبرا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔

"چلیے صاحب۔۔۔!" شکیل کمر کے گرد ڈوری باندھتے ہوئے بولا۔ اور باغ کی طرف چل دیے۔

باغ کی فضا بڑی ہی خوشگوار اور رومان پرور تھی۔ پیڑوں پر سبز سبز پتوں کی شاداب ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ ننھی منی کلیاں مسکرا مسکرا کر آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ہوا ان کی بھینی بھینی مہک سے معطر ہو رہی تھی شازیہ خوشی خوشی مسکراتا چہرہ لیے اپنے اگائے ہوئے پودے حامد کو دکھا رہی تھی۔

حامد گلاب کی ادھر کھلی کلیوں کو دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"شازی۔۔۔! کیا ان خوبصورت کلیوں میں سے کوئی ہمارے گاؤں کے شایان شان نہیں ہے؟"

"ضرور، ضرور کیوں نہیں انکل!"

"پھر اس نے ایک ادھ کھلی کلی توڑ کر حامد کے گاؤں کے بٹن کے ہول میں لگا دی۔

"شکریہ! ہماری بھتیجی بہت کنجوس ہے ہم ہی کو کلی مانگنی پڑی۔ خود دینے کا تو حوصلہ ہی نہیں ہے۔"

پھر اس نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔ "شکیل صاحب نے کیا قصور کیا ہے جو ان کو نہیں دی کوئی کٹی۔۔۔ ان کا بٹن ہول منتظر ہے تمہارے ہاتھ کا۔"

شازیہ نے بددلی سے ایک کٹی توڑی اور دینے کے لیے شکیل کی طرف بڑھی تو اس نے ہاتھ پشت پر باندھے کندھا آگے کر دیا شازیہ نے کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے دل سے کٹی شکیل کے بٹن ہول میں لگا دی۔ اس عرصے میں حامد کچھ آگے بڑھ گیا۔

"ذرا نوازی کا بہت بہت شکریہ۔۔۔ حامد صاحب کی طفیل سہی، آپ نے کچھ دیا تو۔" پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ حامد صاحب کی وجہ سے بادل خواستہ آپ کو یہ کام کرنا پڑا۔۔۔ پھر بھی میں اس مہربانی کے لیے از حد شکر گزار ہوں۔"

شازیہ پوری بات سنے بغیر ہی آگے بڑھ گئی اور جا کر حامد سے باتیں کرنے لگی۔

کافی دیر تک تینوں باغ کی سیر کرتے رہے۔ دن کافی نکل آیا تھا۔ دو رافق پر سورج کی روشن کرنیں بالکل سونے کے تار معلوم ہو رہے تھے۔ صبح کا یہ سہانا وقت بہت ہی پیارا تھا۔

"میرے خیال میں اب اندر چلنا چاہیے۔" شازیہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"چلیے۔۔۔" پھر تینوں مسکراتے ہوئے بشاش چہرے لیے اندر آگئے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر انہوں نے شالامار باغ جانے کا پروگرام بنایا اور سب جانے کی تیاری کرنے لگے۔ صوفیہ بیگم نے جلدی جلدی کھانے کے لیے چند چیزیں تیار کروادیں۔ گیارہ بجے کے

قریب وہ باہر آئے شکیل نے گاڑی نکالی اور سب کو بٹھا کر شالامار باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سوا گیارہ بجے یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

شالامار باغ میں بہت چہل پہل تھی۔ کافی لوگ آئے ہوئے تھے اور اپنے اپنے مشاغل میں مگن تھے۔ ہر طرف ایک عجیب بہار تھی۔

پانی کی نہروں میں چلتے ہوئے فوارے دو طرفہ روشنیوں کے درمیان بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ روشنیوں کے دونوں طرف سرو اور آم کے درخت تھے۔ آم کے درختوں میں سرخ سرخ اور پیلے پیلے آم بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ان آموں کو دیکھ کر عامر چہکا۔

"بھابی دی گریٹ۔۔۔ کیا ان آموں میں کسی پر ہماری مہر بھی ہے؟"

"یہ کام تو خاصا مشکل ہے۔ مجھے تو ابھی خود اپنے بارے میں بھی معلوم نہیں۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

وہاں سے آم خرید کر سب پہلی ڈیوڑھی میں آگئے۔ جہاں سے سارا شالامار دکھائی دیتا تھا۔ نیچے بڑے خوبصورت پانی کے تالاب بنے ہوئے تھے جن میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ یہ تالاب سفید سنگ مرمر کے تھے۔ ان کے کنارے بے حد خوبصورتی سے بنائے گئے تھے۔ تالابوں کے بالکل درمیان میں سنگ مرمر کی بارہ دری تھی جس میں جانے کے لیے تالابوں کے اندر راہداریاں بنی ہوئی تھیں۔ بارہ دری میں بیٹھے ہوئے لوگ دور سے بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

"مغلیہ دور میں جب شہزادے اور شہزادیاں یہاں بیٹھتی ہوں گی تو سماں کتنا حسین ہوتا ہوگا۔ کاش میں اس دور میں پیدا ہوتا۔۔۔!" حامد نے مغلیہ دور کا نقشہ آنکھوں میں کھینچتے ہوئے کہا۔

"واقعی عجیب عالم ہوتا ہوگا اس وقت۔۔۔!" شکیل بھی اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بولا۔

عامر کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"حضرت اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری بھابی دی گریٹ کو وہاں بٹھادیں۔ بالکل ملکہ نور جہاں لگیں گی۔"

"ہائے اللہ! عامر تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے!" رضوانہ شازیہ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"چلو۔۔۔ بد تمیز کہیں کے، اب میرے پیچھے پڑ گئے۔ میں اتنی بے وقوف نہیں کہ تمہاری باتوں پر یقین کر لوں!" شازیہ نے جھیبپ کر کہا۔

"میرے خیال میں بھی عامر کی بات غلط نہیں ہے۔" شکیل نے کہا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں بڑی دلکش چمک تھی۔ "آپ کا کیا خیال ہے حامد صاحب؟"

"ہم تو بچپن ہی سے ان کے قائل ہیں آپ اب کی بات کر رہے ہیں شازیہ جب بہت چھوٹی تھیں تو میں ان کو نوری کہا کرتا تھا۔" حامد نے ہنس کر کہا۔

"لیجیے ملکہ عالیہ اتنی گواہیاں مل گئیں، اب تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا اور میں نہایت اور ادب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سامنے والے تخت کو رونق بخشیں۔۔۔ بندے کی تو کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہو گئیں ہیں۔"

عامر نے شازیہ کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

"عامی کے بچے باز آ جاؤ۔۔۔ ورنہ آج میرے ہاتھ سے پٹ جاؤ گے۔" شازیہ شرم سے سرخ ہوتے ہوئے بولی۔

"اگر آپ کی خوشی اسی میں بھابی حضور تو پیٹ کر بھی دیکھ لیجیے۔ غلام حاضر ہے۔" اس پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

سب کی باتوں سے شازیہ واقعی نروس ہو رہی تھی۔ شکیل دلچسپی اور شوق سے اس کے حسین چہرے کا نظارہ کر رہا تھا جس پر قوس و قزح کی طرح رنگ بدلتے جا رہے تھے۔

شازیہ کی روہانسی آواز پر وہ چونکا۔

"دیکھیے اگر آپ لوگ مجھے یوں ہی تنگ کرتے رہے تو میں ابھی واپس چلی جاؤں گی اور امی جان سے کہہ کر آپ کی وہ درگت بنواؤں گی کہ ہمیشہ یاد کریں گے۔" اس وقت واقعی شازیہ کی آنکھوں میں ستارے جھلملا رہے تھے۔ شکیل بے اختیار بول اٹھا۔

"خبردار اب جو کسی نے کوئی بات کی۔۔۔ ورنہ میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں گا اور

آپ تینوں یہاں جھک مارتے رہیے گا۔"

"یک نہ شد دوشد۔"

"خاموش ہو جاؤ، بھئی ڈاکٹر صاحب اپنی بیگم کے مصنوعی آنسو دیکھ کر بگڑ گئے ہیں۔" حامد نے رونی صورت بنا کر کہا اور پھر سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔

پھر ایک قطعے میں ان لوگوں نے ایک درخت کے نیچے ڈیرے دال دیے اور تاش کھیلنے لگے۔ ایک بجے کے قریب سب نے مل کر کھانا کھایا اور پھر تاش کھیلنے لگے۔

کافی دیر تاش کھیلنے کے بعد وہ گھومنے کے لیے تیار ہوئے پھر شمال مار باغ کا کوئی حصہ ایسا نہ بچا جس پر ان لوگوں کے قدم نہ گئے ہوں۔ چار بجے کے قریب سب نے کینٹین میں آ کر چائے پی اور کافی دیر وہاں بیٹھے، آنے جانے والوں کے بارے میں تنقید کر کے ہنستے رہے۔ آخر چھ بجے کے قریب واپس ہوئے تو سب کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ اس لیے آتے ہی اپنے اپنے کمروں میں آرام کے لیے چلے گئے۔ شکیل کی نائٹ ڈیوٹی تھی اس نے غسل کیا اور ہسپتال روانہ ہو گیا۔

حامد کو شازیہ کے گھر آئے تین دن گزر چکے تھے۔ اس وقت سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ عامر اپنی شرارتوں سے سب کو ہنسا رہا تھا۔ حامد کو یہ شرارتی اور پیارا سا لڑکا بہت پسند آیا تھا اور عامر حامد کو ہم زوق پا کر اس سے بہت گھل مل گیا تھا۔ دونوں مل کر خوب خوب شرارتیں کرتے۔ اس وقت بھی وہ حامد کی باتوں میں مگن تھا کہ شازیہ نے اس کو مخاطب کیا۔

"عامی!"

"تیری چھٹی کا کیا ہوا۔۔۔؟" شازیہ نے حامد اور عامر کے درمیان صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم درخواست دیں اور منظور نہ ہو، کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھابی دی گریٹ۔۔۔" لیکن افسوس کہ صرف چار دن کی چھٹی ملی ہے۔ ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ امتحان بہت قریب ہیں چھٹی نہ ہی لو تو بہتر ہے لیکن میں نے کہا کہ مجھے حامد بھائی جان کی شادی میں جانا ہے تو وہ چپ ہو گئے، ویسے امتحان ہے تو قریب ہی!"

"تو پھر نہ جاؤ۔۔۔!" رضوانہ جلدی سے بولی۔

"کیوں نہ جاؤں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟ ہم تو ضرور جائیں گے اپنے حامد بھائی کی شادی میں۔۔۔ چاہے اور کوئی جائے یا نہ جائے، ویسے آپ تو نہیں جارہی ہیں نا؟"

"کیوں؟ میں کیوں نہیں جارہی ہوں، میں تو ضرور جاؤں گی۔"

حامد دونوں کی لڑائی پر ہنستے ہوئے بولا۔

"شکیل صاحب آپ پندرہ دن سے کم چھٹی نہ لیں۔ میں اس سے پہلے نہیں آپ کو چھوڑنے کا۔" حامد نے شکیل کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں آج سرجن حمید اللہ سے بات کروں گا۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"صرف پانچ دن تو مجھ غریب کی شادی میں رہ گئے ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ مہمان دولہا سے پہلے پہنچ جائیں۔" حامد نے عجیب سے صورت بنا کر بڑی بیچارگی سے کہا۔

"فکر نہ کریں حامد صاحب! ہم شادی سے پہلے انشاء اللہ ضرور پہنچ جائیں گے۔۔۔ لو بھئی ہم تو چلے ہو سپٹل کا وقت ہو گیا ہے۔"

"سُدھارو۔۔۔ میاں فی امان اللہ۔" حامد نے بڑی بوڑھیوں کی طرح کہا۔

شام نے اپنا سر مٹی آنچل آہستہ آہستہ پھیلا نا شروع کر دیا۔ شازیہ صوفیہ بیگم کے قریب بیٹھی راولپنڈی جانے کا پروگرام بنا رہی تھی۔ حامد کی پوسٹنگ آج کل پنڈی میں تھی۔ لڑکی والے بھی پنڈی میں ہی رہتے تھے۔

اس لیے وہیں شادی کا بندوبست کیا گیا تھا۔۔۔ تبادلہ خیالات کے بعد طے پایا کہ اگلی دوپہر کے کھانے کے بعد سب روانہ ہو جائیں۔

یکسوئی ہو جانے کے بعد شازیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا انکل حامد کو بتاؤں، امی جان!"

برآمدے میں اسے عامر مل گیا جس سے اس نے پوچھا۔

"انکل حامد کہاں ہیں عامی؟"

"میں نے ان کو کچھ دیر پہلے باغ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کچھ کام ہے کیا؟"

"ہاں بھئی!"

"آپ کہیں تو میں جا کر بلاؤں۔"

"نہیں رہنے دو، میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔" شازیہ نے باغ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

باغ میں پہنچ کر شازیہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو حامد ہار سنگھار کے پودوں کے پاس کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ شازیہ کی طرف اس کی پشت تھی، اس نے قریب جاتے ہوئے کہا۔

"انکل حامد، ہم لوگ کل پنڈی چلیں گے، میں ابھی امی جان سے سارا پروگرام بنا کر آئی ہوں۔" اس کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا۔

پھر قریب پہنچ کر اس نے پیچھے سے حامد کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنستے ہوئے کہا۔۔۔

"دیکھا انہوں نے میری بات مان لی نا، میں نے پہلے ہی کہا تھا۔"

وہ میری کوئی بات کبھی رد نہیں کریں گی۔ میری امی بہت ہی اچھی ہیں۔۔۔" وہ اپنی رو میں کہتی گئی۔

"واقعی!"

اور ساتھ ہی سگریٹ جلانے کے لیے لائٹر کی روشنی ہوئی تو شازیہ سناٹے میں رہ گئی۔ وہ حامد کے بجائے شکیل تھا۔۔۔ شکیل کے چہرے پر ایک بڑی ہی دلفریب مسکراہٹ کھل رہی تھی۔

"او۔۔۔ آ۔۔۔ آپ۔۔۔!" روشنی کے ساتھ ہی شازیہ کی ادھوری سی کپکپاتی آواز نکلی۔

چشم زدن میں وہ پلٹی اور اٹے پاؤں اندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

شکیل کافی دیر تک وہیں بیٹھا اس خوشگوار حادثے پر مسکراتا رہا۔

"کاش۔۔۔ یہ غلط فہمی حقیقت ہوتی!"

"کاش۔۔۔ وہ شکیل سمجھ کر اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈالتی!" پھر یہ کاش پھسلتا گیا۔۔۔ اور شکیل کی دلکش مسکراہٹ اس کاش میں جذب ہوتی چلی گئی، وہ کافی رات تک وہاں بیٹھا سسکتا رہا اور بے رحم رات ہولے ہولے گزرتی رہی۔

پروگرام کے مطابق دوسرے دن کھانے کے بعد سب راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔ شازیہ نے اب تک شکیل سے کوئی بات نہ کی تھی وہ شرم سے مرہی تو مٹی تھی۔ لیکن مجبوری نے اس کو جکڑ لیا تھا

ورنہ شکیل کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

کوئی چھ بجے کے قریب یہ لوگ پنڈی پہنچ گئے جہاں ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ شازیہ کی ماں ان سب کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ بیٹی کے ساتھ اس کے سسرال والے دیکھ کر ماں کا پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہا تھا۔ وہ صوفیہ بیگم سے گلے ملتے ہوئے بولیں۔

"آپ کے آنے کی مجھے بے حد خوشی ہوئی بہن، میں تو اکیلی یہاں گھبرا گئی تھی، سفر میں تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ سلمیٰ بہن۔۔۔! اللہ کا شکر ہے کہ سب خیریت ہی رہی البتہ گرمی سے ذرا گھبرا گئی تھی۔"

شکیل کو سلمیٰ بیگم سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ جب سے آیا تھا ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور وہ بھی اس کو آنکھوں سے اوجھل نہ کرنا چاہتی تھیں۔۔۔ وہ ان کی پیاری شازیہ کا شکیل جو

تھا۔۔۔ شازیہ جوان کو جان سے بھی زیادہ پیاری تھی، جس کی خوشی ان کی حاصل زندگی تھی۔

کیا معلوم تھا غریب کو کہ ان کی بیٹی کو اس خوشی کی ایک رمت بھی نہیں ملی۔

حامد کے بنگلے کی شان و شوکت آج دیکھنے کے قابل تھی۔ ساری کوٹھی کو بڑی محنت اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ درختوں میں لگی ہوئی رنگ برنگی لائٹ عجیب سماں پیش کر رہی تھی۔ ہر طرف رنگین آنچل اور ساڑھیاں لہرا رہی تھیں۔ آج مہندی کی رات تھی،

مہندی لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا تھا ہر طرف رنگ و نور کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ زرق برق لباس اور زیورات کی جگمگاہٹ سے ماحول بڑا رنگین اور حسین ہو گیا تھا۔ شازیہ نے

آج سرخ لہنگا سیٹ پہنا تھا۔ سرخ رنگ نے اس کے حسن کو ایک بھرکتا ہوا شعلہ بنا دیا تھا۔ صوفیہ بیگم اور سلمیٰ بیگم نے اصرار کر کے بھاری زیورات بھی پہنا دیے تھے۔ ان زیورات اور چمکتے ہوئے لباس میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

شکیل نے دیکھا تو کھو کر رہ گیا۔۔۔ حامد نے شکیل کی یہ چوری پکڑ لی اور شازیہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اوں ہوں۔۔۔ اتنی محویت ٹھیک نہیں۔ اب واپس لوٹ آئیے جناب!"

شکیل نے چونک کر حامد کی طرف دیکھا اور ایک دم سنبھل کر حاضر جوابی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"کل بات کریں گے جناب سے۔۔۔ کہ آنے والی کا کیا بھاؤ ہے۔"

"اللہ میرے حال پر ضرور رحم فرمائے گا۔۔۔" حامد نے ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"رحم تو ہو ہی گیا قبلہ، آنکھیں تو کھولے، آپ تو ابھی سے تصور جاناں میں کھو گئے۔" شکیل ہنستے ہوئے بولا۔

"یار بدلہ تو تم نے خوب لے لیا، ماننا پڑے گا کہ تم بہت حاضر جواب ہو۔" حامد نے شکیل کا کندھا دبا کر کہا۔

"ذرا نوازی کا بہت بہت شکریہ۔"

ساری رات لڑکیوں نے ایک طوفان بد تمیزی برپا رکھا۔ ڈھولک پر وہ زوردار تھاپ پڑی کہ کوئی پلک بھی جھپک نہ سکی۔ شکیل کو کپڑے تبدیل کرنے تھے مگر بکسوں کا چارج شازیہ کے پاس تھا اور وہ اس سے کہتے ہچکچا رہا تھا۔ حامد نے اسے چپ دیکھ کر ٹوکا۔

"یار چپ کیوں بیٹھے ہو، کیا نیند آرہی ہے؟" ان چند دنوں میں حامد شکیل سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔

"میں کپڑے تبدیل کرنا چاہتا ہوں لیکن شازیہ مصروف ہیں۔ بس یہی سوچ رہا ہوں۔" اور۔۔۔۔۔

حامد پوری بات سننے سے پہلے ہی شازیہ کو آواز دینے لگا۔

"شازی۔۔۔ ذرا ادھر تو آنا بھئی!"

"جی فرمائیے!" شازیہ نے آکر قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"فرمانا کیا ہے جی۔۔۔ یہ تمہارے ڈاکٹر صاحب کپڑے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو اندر لے جاؤ۔۔۔ بے چارے تم سے ڈرتے بہت ہیں۔ خود بلانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اس لیے مجھے سفارش کرنی پڑی۔" حامد نے مسکراتے ہوئے قریب بیٹھی ہوئی شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ جو تو الٹی سیدھی باتیں کرنے کی پرانی عادت ہے۔ سوچ لیجیے کہیں کوئی بات آپ کے پیٹ میں رہ گئی ہو تو بعد میں مفت کی پریشانی ہوگی۔۔۔۔۔" پھر وہ شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"چلیے۔۔۔ میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔"

"آئیے! آپ کی بہت مہربانی!" شکیل کی آنکھیں نیند کی وجہ سے بوجھل ہو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ شازیہ ان کی زد سے بچنے کے لیے تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔۔۔ تو شکیل نے آگے بڑھ کر اس سے قدم ملاتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے شازی صاحبہ کہ میں نے آپ کو بھری محفل سے اٹھ کر آنے کی تکلیفی دی۔" پھر زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"ظاہر داری بھی بہت بڑا ظلم ہے۔۔۔ آپ تو تنگ آگئی ہوں گی۔ اس مصیبت سے۔"

شازیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لاپرواہی سے کپڑے نکال کر میز پر رکھ دیے

اور جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ شکیل کی آواز پر رک گئی۔

"دیکھیے!"

"ذرا نکل حامد سے کہہ دیجیے گا کہ مجھے نیند آرہی ہے، میں اب باہر نہ آؤں گا۔ وہ بھی آرام کریں۔ صبح انہیں بھی سخت ڈیوٹی دینی ہے۔" پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھا۔۔۔ شب بخیر!"

شازیہ نے کوئی جواب نہ دیا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
رات بھگ چلی تھی، چاند ستاروں کے جھرمٹ میں گھرا ہوا اپنی نقرائی کرنوں سے فضا کے سکوت کو پرسرا رہا تھا۔ درختوں کی شاخیں خاموش خاموش تھیں۔۔۔ شکیل اپنی مضطرب سوچ میں گم تھا۔
"وہ چلی گئی۔۔۔ وہ چلی گئی!"

اس کے دل کی ہر دھڑکن میں شازیہ ہی کی پکار تھی۔۔۔ شازیہ جو ایک خوشبو تھی اور جو اس کے دل کے ساتھ ساتھ حواس پر بھی چھائی جا رہی تھی۔
آج حامد کی بارات تھی۔

عورتیں صبح سے ہی تیاریوں میں لگ گئیں تھیں۔ کوئی کپڑے استری کر رہی تھی تو کسی کو اپنے دوپٹے میں کرن ٹانگنے کی جلدی تھی۔ غرض سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ سب پر سبقت لے جائے۔۔۔ شازیہ نے آج پیازی رنگ کی سلمی ستارے سے بھری ہوئی

بڑی قیمتی اور خوبصورت شاموس کی ساڑی پہنی تھی اور اسی رنگ کا ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا جس نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا۔ اور ہونٹوں پر ساڑی سے میچ کرتی ہوئی لب

اسٹل تو قیامت ہی ڈھا رہی تھی۔ آج جو بھی اسے دیکھتا تھا تھوڑی دیر کے لیے کھوسا جاتا اور وہ شرمائی شرمائی تعریف کرنے والوں کا شکریہ ادا کر رہی تھی کہ شکیل سامنے کے دروازے سے اندر داخل ہوا جھلمل جھلمل کرتی ہوئی پیازی ساڑی میں شازیہ کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔۔۔ شکیل کو اتنی محویت سے مسلسل اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر وہ بوکھلا گئی۔

نیلے رنگ کے ٹیڑوں کے سوٹ اور ہم رنگ ٹائی لگائے وہ کوئی یونانی دیوتا لگ رہا تھا۔
سب کی نظریں اس حسین و جمیل جوڑے لگی ہوئی تھیں۔

حامد نے آج سنہری شیروانی اور تنگ پاجامہ زیب تن کیا۔ گلے میں نوٹوں کے ہار ڈالے وہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ پاس ہی شکیل بیٹھا تھا۔

شازیہ ہار ہاتھوں میں لیے اور حامد کے گلے میں ڈال کر مسکراتے ہوئے بولی۔
"انکل۔۔۔ چشم بد دور۔۔۔۔۔"

آج آپ کو کہیں میری نظر نہ لگ جائے!"

حامد کب چپ رہتے والا تھا جلدی سے بولا۔

"تمہار بہت بہت شکریہ شازی۔۔۔" پھر شکیل کی طرف دیکھ کر آہستہ سے مسکرا کر بولا۔

"اور ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔۔۔ جنہوں نے پاس بیٹھ کر مجھے ماند کر دیا ہے

۔"

شازیہ کی نظر ایک دم شکیل کی طرف اٹھی لیکن شکیل کی شوخ شوخ حسین آنکھوں سے ٹکرا کر جھک گئی۔۔۔ اس کے سامنے مردانہ وجاہت کا ایک مکمل نمونہ تھا جسے دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے کھو سی گئی۔

اور اس کی اس سراسیمگی پر شکیل اور حامد دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"آپ بہت وہ ہیں انکل۔۔۔" شازیہ نے جھینپ کر کہا۔

"میں نے کیا کیا بھی، ساری شرافت تو اس شکیل کی ہے جو اتنا سمارٹ لگ رہا ہے۔" حامد نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ اور بھی چڑ گئی۔

"نہ معلوم کس مٹی سے بنے ہوئے ہیں، آج کے دن بھی زبان میرٹھ کی قینچی کی طرح چل رہی ہے۔ میں ابھی امی جان سے جا کر شکایت کرتی ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ حامد نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"ارے ارے۔۔۔ یہ چینی کی گڑیا تو سچ مچ ناراض ہو گئی!" پھر اس نے شکیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دیکھیے صاحب۔ اب کچھ نہ کہیے گا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

"بہت اچھا۔۔۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔"

آخر خدا خدا کر کے بارات روانہ ہوئی اور بڑی شان و شوکت سے لڑکی والوں کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں ان لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ خوب خاطر مدارت ہوئی۔ ان لوگوں نے بھی دل کھول کر ارمان نکالے تھے۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، رسومات ادا

کرنے کے بعد تقریباً نو بجے سب بلا تلی دلہن کو لے کر گھر واپس آ گئے۔ ساریہ کا خوشی سے پاؤں زمین پر نہ لگ رہا تھا، وہ کسی تتلی کی مانند ادھر سے ادھر اڑتی پھرتی رہی تھی۔ دل خوشی سے جھوم رہا تھا اور انتہائی مسرت نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ شگفتہ اور حسین بنادیا تھا۔ شکیل بھی شازیہ کو مسرور دیکھ کر بے حد خوش تھا اور کوئل سی حسین لڑکی اس کے دل میں تیزی سے اترتی چلی جا رہی تھی وہ جتنا اس کے خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتا وہ اتنی دل و دماغ پر چھاتی جا رہی تھی۔

حامد کی شادی کو ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ شازیہ میکے آ کر بے حد خوش تھی۔ صوفیہ بیگم رضوانہ اور عامر شادی کے دوسرے روز ہی واپس لاہور چلے گئے تھے۔ شازیہ اور شکیل کو حامد نے زبردستی روک لیا تھا۔ سارا سارا دن چمیلیں ہوتی رہتیں۔ دن بڑے خوشگوار گزر رہے تھے۔ روبی ان سے یوں گھل مل گئی تھی۔ جیسے برسوں کی جان پہچان ہو، شازیہ اور روبی میں تو بہت دوستی ہو گئی تھی۔ حامد خوش مزاج اور ہم ذوق حسین بیوی پا کر بے حد خوش تھا۔

اس وقت چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ حامد کچھ سوچ کر بولا۔

"یار شکیل آج بیت بازی ہو جائے۔" پھر اس نے شازیہ اور روبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں بہت لائق اور بازو بنتی ہیں۔ آج ان کا امتحان لے لیا جائے تو کیسا رہے گا۔"

"بہت خوب۔۔۔"

"آپ نے بہت اچھی ترکی سوچی۔ وقت بھی خاصا گزر جائے گا اور اچھے اچھے شعر سن کر دماغ بھی تازہ دم ہو جائے گا۔ آئیے ان سے بات کرتے ہیں۔" دونوں اٹھ کر شازیہ اور روبی کے قریب آگئے۔

"یہ تم لوگ اتنی دیر سے کیا باتیں کر رہی ہو؟" حامد نے شازیہ کا شانہ ہلا کر کہا۔

"جو مرضی آئی، کر رہے ہیں آپ کو کیا؟" شازیہ نے تیزی سے کہا۔

"ہمیں پورا پورا حق ہے کہ ہم پوچھیں، آپ اتنی دیر سے کیا کچھڑی پکار رہی ہیں۔" حامد نے مصنوعی رعب سے کہا۔

"واہ، واہ۔۔۔۔۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔۔۔۔۔ جانیے جا کر اپنا کام کیجیے۔" شازیہ ہنس کر بولی۔

"یار شکیل! تیری اس خوبصورت سی بیوی کی زبان کتنی تیز ہے، ایک میری بیگم ہیں کہ بے چاری اس کی شکل دیکھے جارہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس آفت کی پرکالہ کا بہت برا اثر لیں گی۔" پھر وہ روبی سے مخاطب ہو گیا۔

"بیگم آپ اس آفت کے پاس نہ بیٹھا کریں۔"

"کیوں نہ بیٹھا کریں ہم تو ضرور بیٹھیں گے بلکہ جو شازیہ کہے گی وہی کریں گے۔" روبی نے ہنس کر کہا۔

لیجیے جناب کر لیجیے دکان داری۔۔۔ آپ کی بیگم بھی بس میں نہیں اور شکایت میری بیگم کی کر رہے ہیں۔" شکیل مسکرا کر بولا۔

"یہاں تو لڑائی شروع ہو گئی شکیل۔۔۔ اور وہ بیت بازی تو رہ گئی۔

درمیان ہی میں۔۔۔۔۔ چلو ہم چلتے ہیں۔"

"کہاں ہو رہی ہے بیت بازی انکل۔۔۔؟" شازیہ نے حامد کی بات کاٹ کر بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"جہنم میں ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ پہلے لڑو، ابھی دل بھرایا نہیں؟"

"انکل پلیز بتا دیجیے نا؟" شازیہ نے خوشامد سے کہا۔

"یہاں ہو رہی ہے۔۔۔۔۔ ابھی اور اسی وقت ایک طرف میں اور شکیل ہوں گے دوسری طرف تم اور روبی ہوں گی، قصہ ختم، چلو بھٹی تیار ہو جاؤ۔۔۔ شکیل صاحب بیت بازی کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"فرمائیے شکیل صاحب۔" پھر اس نے شکیل سے کہا۔

"کوئی فرسٹ کلاس شعر ہونا چاہیے۔"

"ملاحظہ ہو۔۔۔۔۔"

"ارشاد جناب۔!"

پہنچی نہ کسی تک میری خلوت کی کوئی بات

گل تھا کہ سب، ہر کوئی پابند حلف تھا،

شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے دلکش انداز میں کہا۔

"الف کا شعر دیجیے محترمہ۔۔۔" حامد نے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا اور شازیہ گھبراہٹ سے گئی پھر بھی اس نے کہا۔

"لیجیے جناب، شور کیوں مچاتے ہیں۔

آج بھی سورج ڈوب گیا، بے نور افق کے ساگر میں

آج بھی پھول چمن میں تجھ کو بن دیکھے مرجھائے ہیں

"ن سے شعر لیجیے۔" شکیل نے پھر شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

نہ جانے کس لیے امیدوار بیٹھا ہوں

اک ایسی راہ پہ جو تیری رہنمائی بھی نہیں

شازیہ نے گھبرا کر آنکھیں جھکا لیں۔۔۔ شکیل متواتر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ لہذا اس نے

جلدی سے کہہ دیا۔

"اب روبی جواب دیں گی۔"

"دیکھو بھئی، مجھے شعر تو کافی آتے ہیں لیکن میں ترتیب سے نہیں پڑھوں گی۔ ایسا کرتے

ہیں کہ ایک شعر آپ پڑھ دیا کریں۔ ایک ہم اپنی اپنی پسند کے شعر مجھے یہ شعر بہت پسند

ہے۔

تیرے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

کہ خوشی سے مرنے جاتے اگر اعتبار ہوتا

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں، مہربانی کر کے مرنے ورنے کا ذکر نہ کیا کریں۔"

حامد نے ہنس کر کہا۔ "لیجیے جناب شعر ہے۔" پھر روبی کی طرف دیکھتے ہوئے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

روبی حامد کی شرارت بھری نظریں دیکھ کر جھینپ گئی۔ اور اس نے آنکھیں جھکا لیں

"شعر ہے۔" شازیہ نے کہا۔

غم حیات کے قصے طویل ہیں انجم

قدم قدم پہ دیے ہیں فریب دنیا نے

شکیل نے برجستہ شعر پڑھا۔

غیروں سے کہا تو نے غیروں سے سنا تو نے

کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

شازیہ نے جواب دیا۔

چراغ زندگی ہو گا فروزاں ہم نہیں ہوں گے

چمن میں آئے گی فصل بہاراں ہم نہیں ہوں گے

شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

صبح مسرت، شام پریشاں، دور خزاں اور فصل بہار

کیا کیا رنگ نظر سے گزرے آپ کے آنے جانے سے
اب روبی نے شر پڑھا۔

تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

"وہ سہارے مصنوعی ہوں گے بیگم صاحبہ۔۔۔" حامد نے روبی کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر
شازیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔
"اب شازیہ کی بار ہے۔"

"میں ایسے نہیں کہوں گی۔ آپ لوگ سنائیں۔ ویسے اگر آپ ہار گئے ہیں تو اور بات ہے۔
۔۔"

شکیل شازیہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

ڈوبتی شام تیری یاد کے جلتے ہیں چراغ
ہم بہت دور ستاروں سے نکل جاتے ہیں
شازیہ نے جواب دیا

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

"خوب بہت خوب۔۔۔ لیکن شازیہ یہ کانٹے اگر ہاتھ میں چبھ جاتے تو خون ہی نکل آتا
اور ڈاکٹر صاحب کو مفت میں پٹی کرنی پڑتی۔" حامد نے ہنس کر کہا۔۔۔ پھر اپنی باری
آتے دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ بھابی جان مجھے بلارہی ہیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اس پر
سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ آپ ہار گئے۔" روبی ذرا گرمی سے بولی۔
"اب آپ س کے سامنے کھلوانا چاہتی ہیں تو یہی سمجھ لیجیے۔" پھر وہ شرارت سے روبی کی
طرف شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"سب لوگ سن لیں اور گواہ رہیں کہ ہم اپنی بیگم کے آگے اپنا قیمتی دل ہار گئے۔"
روبی نے شرما کر آنکھیں جھکالیں اور آہستہ سے ساتھ بیٹھی ہوئی شازیہ سے بولی۔

"دیکھا شازی۔ خدا کے لیے ان کو چپ کراؤ، شکیل بھائی کیا کہتے ہوں گی۔"

"مجھے کچھ کہہ کر اپنی مرمت کرانی ہے، خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے اٹھ جائیں، امی
جان کے پاس چلتے ہی۔"

حامد نے شازیہ کی بات سن لی، جو نہیں وہ اٹھیں اس نے پیچھے سے پکڑ کر دونوں کو پھر بٹھا
دیا۔

"اجی تشریف رکھیے محترمہ! میں نے آپ کی ساری بات سن لی ہے، آپ کی سزا یہ ہے
کہ ایک مشکل کام میں ہمیں اپنا قیمتی اور احمقانہ مشورہ دیں۔۔۔ بات یہ ہے کہ میں نے

اور شکیل صاحب نے مری جانے کا پروگرام بنایا ہے آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" حامد نے دونوں کے درمیان بیٹھ کر کہا۔

"واقعی جارہے ہیں یا مذاق کر رہے ہیں خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع نہ کریں؟" شازیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں آپ کو کسی مینا بازار کا افتتاح کرنے جانا ہے جو وقت ضائع ہونے کا خیال ہے۔" حامد نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔ اس کی اس حرکت پر سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"شازیہ میں سیریس ہوں۔ سارا پروگرام سیٹ ہے، صرف بھابی جان سے اجازت لینی باقی ہے اور یہ کام تم بہت آسانی سے کر سکتی ہو۔

اگر میں نے کہا تو جواب ملے گا۔۔۔ اے میری توبہ، اس لڑکے کا تو گھر میں دل ہی نہیں لگتا۔ چار دن کے لیے آتا ہے تو اس کو سیروں سے ہی فرصت نہیں ملتی ہمارے۔۔۔"

"بس بس انکل بس کیجیے۔" شازیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں!"

"میں نے کب کہا ہے کہ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔" شازیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ویسے شازیہ مری میں مزہ خوب آئے گا۔ اب تو شکیل صاحب بھی ہاتھ آگئے ہیں، پھر نہ جانے کب ملیں گے۔" حامد نے افسردگی سے کہا۔

"میں نے جو وقت آپ کے ساتھ گزارا ہے پورے ایمان سے کہہ رہا ہوں کہ کبھی نہ بھول سکوں گا۔" شکیل نے عجیب نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں یہ دن ہمیشہ یادگار رہیں گے۔" روبی بولی۔

"جی ہاں آپ کو تو ضرور بھی یاد رہیں گے کیونکہ یہ آپ کی ازدواجی زندگی کے ابتدائی دن ہیں۔" حامد نے شرارت سے بات کا رخ بدل دیا۔

"آپ تو چپ ہی رہے، میں شکیل بھائی سے بات کر رہی تھی۔" روبی نے جھینپ کر کہا۔ "چلو بھابی جان کے پاس چلتے ہیں۔" اور پھر سب سلمیٰ بیگم کے کمرے کی طرف چل دیے۔

سلمیٰ بیگم کرسی پر بیٹھی خانساماں کو دوپہر کے کھانے کے لیے ضروری ہدایتیں دے رہی تھیں کہ حامد، روبی، شکیل اور شازیہ کو آتے دیکھا اور خوش ہو کر بولیں۔

"آؤ بچو، آؤ۔"

سب آ کر قریبی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"خیریت تو ہے، سب اس طرح خاموش کیوں بیٹھے ہو؟"

حامد نے شازیہ کو بات کرنے کے لیے اشارہ کیا لیکن اس نے جواب میں انگلی کی حرکت سے انکار کر دیا۔

"کیا بات ہے حامد، کچھ تم ہی بتاؤ میاں؟" سلمیٰ بیگم نے دوبارہ پچھا۔

"بھابی جان! بات دراصل یہ ہے کہ ہم چاروں تین چار دن کے لیے مری جانا چاہتے ہیں۔ آپ سے امید ہے کہ ہمیں ضرور اجازت دے دیں گی۔" حامد نے جلدی جلدی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے حامد کہ شازی کچھ دنوں کے لیے تو آئی ہے۔ شادی کی مصروفیتوں میں اس سے اچھی طرح بات بھی نہ کر سکی۔

اب کچھ فرصت ہوئی ہے تو تم لوگوں پر مری جانے کا خط سوار ہے۔"

"پیری بھابی جان! ہماری بات مان لیں۔ دیکھیں شکیل صاحب کیا کہیں گے کہ آپ میری اتنی سی بات بھی نہیں مانتیں۔" حامد نے سلمیٰ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ اس کی اس حرکت پر سب ہنس پڑے۔

"اچھا بھئی چلے جاؤ لیکن میری جان تو چھوڑو۔۔۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ ذرا جلدی واپس آ جانا۔ یہاں میں اکیلی گھبرا جاؤں گی۔"

"اگر آپ بھی ساتھ چلیں امی جان تو بہت اچھا ہے۔" شکیل نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"میں کیسے جاسکتی ہوں بیٹا۔۔۔ اتنا بڑا گھر نو کروں پر چھوڑ کر جی نہیں چاہتا۔ پھر میں دل کی مریضہ ٹھہری۔ تم لوگ سدھارو میاں! خدا ساتھ خیریت کے واپس لائے۔" سلمیٰ بیگم نے پیار بھری نظروں سے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ تین چار دن بعد آ جائیں گے، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"کب جانے کا ارادہ ہے میاں؟" سلمیٰ بیگم نے پان دان کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم لوگ آج ہی دوپہر کے کھانے کے بعد کوئی تین بجے روانہ ہو جائیں، ہمیں کون سی تیاری کرنی ہے، بس دو دو تین تین

جوڑے ساتھ لے لیں گے۔" حامد نے جواب دیا۔

"آپ کا خیال درست ہے، چھ ساڑھے چھ بجے کے قریب مری پہنچ جائیں گے۔ اور ہاں جانے کا کیا پروگرام ہوگا بس میں یا اپنی گاڑی میں؟" شکیل نے حامد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے خیال میں تو اپنی ہی گاڑی زیادہ بہتر رہے گی۔ ان محترمہ کا کیا خیال ہے؟" حامد نے شازی اور روبی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہمیں آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔" شازیہ ہنس کر بولی۔

"شکر ہے تیرا مولا۔۔۔ ویسے شازی آج پہلی بار تم نے میری رائے سے اتفاق کیا ہے۔" حامد نے ہنس کر کہا۔

"اور میرا خیال یہ ہے کہ آج پہلی بار آپ نے کوئی اچھی تجویز پیش کی ہے۔" شازیہ نے مسکرا کر حامد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکیل صاحب آپ کو تو کافی کٹھن ڈیوٹی انجام دینی پڑے گی۔" حامد نے اس کو مخاطب کر کے کہا۔

"کون سی ڈیوٹی جناب؟"

"بات یہ ہے کہ شازی مری پہنچ تو خیریت سے جاتی ہے لیکن واپس آتے وقت اللہ کے حوالے ہو جاتی ہے۔" حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔ میں آپ کی بات سمجھا نہیں؟" شکیل نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ واپسی پر شازیہ کو بہت شکر اور قے آنے لگتی ہے۔

اچھی خاصی مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔۔۔" پھر وہ روبی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کا تو ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔۔۔ میری طبیعت ٹھیک ہی رہتی ہے۔ آپ کو مصیبت نہیں اٹھانی پڑے گی۔۔۔

۔" روبی نے شرما کر کہا۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" حامد نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"تو نے مجھے اس تیمارداری میں نہیں ڈالا۔ ورنہ اپنا تو حلیہ بگڑ جاتا۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد سب نے اپنے اپنے کپڑے اور ضرورت کی چیزیں رکھیں اور

کوئی پونے تین بجے کے قریب مری کے لیے روانہ ہو گئے۔ اگلی سیٹ پر شکیل اور حامد

بیٹھے، کچھلی سیٹ پر روبی اور شازیہ نے جگہ لے لی۔ گاڑی حامد ڈرائیو کر رہے تھے۔ کمپنی

باغ کے قریب گاڑی روک کر سب باہر نکل آئے۔ ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے سب نے منہ

ہاتھ دھویا۔۔۔ پھر کچھ دیر باہر ٹھہل کر دوبارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ساملی سینی ٹوریم دیکھ کر شکیل نے کہا۔

"کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنا تبادلہ یہاں کروالوں لیکن امی جان کی وجہ سے

کہیں باہر نہیں جاسکا۔ مجھے موت سے زور آزمائی کرنی پڑتی ہے اور موت کا خوشی اور

بے چینی سے انتظار کرنے والی ان ہستیوں کی خدمت کرنے کا بے حد شوق ہے۔"

"ارے چھوڑو یار! معلوم نہیں یہ ڈاکٹر لوگ کس مٹی کے بنے ہوتے ہیں۔۔۔ میرا تو

ایسی باتیں سن کر ہی سانس رکھنے لگتا ہے۔"

حامد مسکرا کر سچ مچ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کی اس بچوں والی حرکت پر سب کھلکھلا

کر ہنس پڑے۔

"دیکھا روبی آنٹی آپ نے اپنے میاں صاحب کو۔۔۔ کیسی مسخرے پن کی حرکتیں کرتے

ہیں۔" شازیہ نے حامد کے کندھے پر زور سے مگہ مارتے ہوئے کہا۔

"اف۔۔۔ میرا کندھا توڑ دیا ہے ظالم لڑکی۔۔۔ کوئی بات نہیں اور مار لے، تیرے ڈاکٹر

کو ہی تکلیف کرنی پڑے گی۔۔۔ ہائے!" حامد نے ایک مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایسی خدمت گوارا نہیں بھئی۔۔۔" شکیل مسکراتے ہوئے بولا

ان ہی خوشگوار باتوں میں یہ لوگ مری پہنچ گئے۔ سسل ہوٹل میں دو کمرے انہوں نے

پنڈی سے ہی فون کر کے ریزرو کروا لیے تھے۔ بیرے نے سامان جلدی سے اندر پہنچا

دیا۔ پھر بڑے ادب سے بولا۔

"چائے یا کافی صاحب؟"

"کیا خیال ہے بھئی؟" حامد نے روبی اور شازیہ کی طرف دیکھا جو بڑے اطمینان سے آتے ہی بستروں پر لیٹ گئی تھیں۔

"چائے ٹھیک رہے گی۔۔۔" شازیہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

"چائے ہی لے آؤ بھئی۔"

نوکر مستعدی سے نکل گیا۔

"بھئی ان بیگمات کی طرف تو دیکھیے۔ لیٹی ایسے ہیں جیسے کئی ہزار میل کا سفر کر کے آئی ہیں۔۔۔۔"

میرے خیال میں تو یہ شام سے پہلے اٹھتیں نظر نہیں آتیں۔۔۔ پھر اس نے شازیہ کی لمبی چوٹی کھینچ لی جو پلنگ کے نیچے لٹک رہی تھی۔

"ہائے اللہ۔۔۔!" شازیہ چیخ اٹھی۔

"روبی ان کو منع کر لو۔۔۔ میں نے آپ لوگوں کے ساتھ آ کر بڑی غلطی کی۔" شازیہ نے اپنے اوپر کبھل لیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا اب تو غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

اتنے میں بیرا چائے لے کر آ گیا۔ اس نے چائے میز پر رکھی اور باہر نکل گیا۔

"اٹھو بھئی چائے بناؤ۔۔۔ کیا غمی عورتوں سے پالا پڑ گیا ہے!" حامد نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

لیکن وہ دونوں شرارت سے چپکی لیٹی رہیں۔

"بہت کام چور لڑکیاں ہیں یہ تو۔۔۔ پھر اس نے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئیے شکیل صاحب خد ہی اپنی قسمت کو روتے ہیں۔" حامد کی رونی آواز پر دونوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"روز ہم لوگ بناتے ہیں۔۔۔ آج آپ ٹرائی کریں، دیکھتے ہیں کتنے پانی میں ہیں۔" شازیہ نے کبھل سے منہ نکال کر کہا پھر جلدی سے منہ اندر کر کے کبھل تان لیا۔

"لایئے صاحب! میں چائے بناتا ہوں، یہ کون سا مشکل کام ہے!" شکیل نے آگے بڑھ کر میز قریب کرتے ہوئے کہا۔۔۔ اور دونوں کبھل اتارا اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

شکیل نے بڑی نفاست سے چائے بنائی، پہلے حامد کو دی پھر شازیہ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ حامد ہنس کر بولا۔

"ان کو مت جگائیے، بے چاریوں کو سوئی رہنے دیں، ابھی ابھی کوہ مری سر کر کے آئی ہیں!"

"چائے پی کر پھر سو جائیں گے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔" روبی نے مسکرا کر چائے کی جسکی لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔۔۔"

"کافی چالاک ہو۔۔۔ ویسے اگر چائے سے پہلے سو جائیں تو آپ لوگوں کے لیے زیادہ بہتر تھا۔" حامد نے روبی کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"انکل ویسے ایک بات ہے کہ روپی آپ سے بہت کم چالاک ہیں۔" شازیہ نے ہنس کر روپی کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"یار شکیل! یہ عورتیں ایک دوسرے کی طرف داری بہت کر رہی ہیں، آخر ایسا کیوں ہے۔۔۔؟" حامد نے ایک مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ لوگوں کو جلانے کے لیے۔۔۔" شازیہ نے چائے کی پیالی ختم کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یار شکیل! تیری یہ خوبصورت سی بیگم بڑی تیز ہو گئی ہے۔" حامد نے ہنس کر شکایت کی۔

"نظر نہ لگا دینا یار۔۔۔!" شکیل کی آنکھوں میں ایک شعلہ سالپکا اور اس نے بڑی پیار بھری نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے دونوں کی نظریں ملیں اور شازیہ نے ان کالی کالی حسین آنکھوں کے سحر سے بچنے کے لیے منہ پر کبمل کھینچ لیا۔

رات سب مال کی سیر کرنے گئے۔ وہاں عجیب عالم تھا۔ ہر طرف ایک رنگ اور نور پھیلا ہوا تھا۔ نوجوان بے فکرے بہترین سوٹ زیب تن کیے پوسٹ آفس کی سیڑھیوں کے سامنے یوں مستعد کھڑے تھے جیسے کسی ملکہ کی سواری کے منتظر ہوں۔ یہ لوگ سیمز میں چلے گئے، وہاں آئس کریم کھائی اور رات ساڑھے نو بجے کے قریب واپس آ کر سو گئے۔ شکیل تقریباً ساری رات جاگتا رہا اور یک ٹک شازیہ کے پلنگ کی طرف دیکھتا رہا۔ ہلکی سبز روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کالے کالے کبمل میں سے شازیہ کا حسین چہرہ شاندار کی

طرح چمک رہا تھا۔ اور لمبے لمبے سیاہ بال کھل کر تکیے پر یوں بکھرے ہوئے تھے جیسے نیلے آکاش پر کوئی بدلی چھا گئی ہو۔

شازیہ بھی سکون سے نہ سو سکی۔ کافی رات تک کروٹیں بدلنے کے بعد اس کی آنکھ لگی تھی اور شکیل اس حسن خوابیدہ کو دیکھے جا رہا تھا جو اس کا اپنا ہونے کے باوجود اپنا نہیں تھا۔ تین چار دن خوب سیر کرنے کے بعد ان بے فکروں نے اگلے دن واپس جانے کا پروگرام بنالیا۔

طے یہ ہوا کہ دو بجے کے قریب روانہ ہو جائیں گے۔ یوں تو واپسی کو کسی کا بھی دل نہ چاہتا تھا اور شکیل کا دل تو سدا یہیں رہنے کو چاہ رہا تھا مگر واپس ہونا ضروری تھا۔۔۔ واپسی کا پروگرام بنا کر وہ بے حد اداس ہو گیا۔ اس کا نادان دل مچلا جا رہا تھا۔ "یہاں تو تجھے شازیہ سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تھا وہاں پھر وہی سنگین خاموشی اور تڑپا دینے والی غیریت ہو گئی۔۔۔"

"کاش۔۔۔ یہ میٹھے خوابوں کا سا افسوس ہمیشہ رہتا۔"

"کیا یہ تاریکیاں کبھی ختم نہ ہوں گی۔۔۔؟"

"وہ سہا سہا ظالم سکوت مجھے ڈس لے گا۔۔۔ کیا یہ میٹھے خواب ہمیشہ مجھے تلخ بیداری کے انگاروں پر جلنے کے لیے پھنکتے رہیں گے۔۔۔ کیا میرے نصیب کے یہ خون چوس لینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے کبھی ختم بھی ہوں گے یا ہمیشہ مجھے ناگن بن کر ہی ڈستے رہیں گے! میرے مولا کیا میرے مقدر میں تیری روشنی کی کوئی کرن نہ پھوٹے گی؟"

"میرے مقدر کی سیاہی کو دور کر دے میرے مولا۔۔۔ کیا میں ہمیشہ یونہی تڑپتا رہوں گا؟"

پھر یہ کیا کاچھوٹا سا لفظ پھیلتا گیا اور اس نے پوری قوت سے شکیل کی زخمی اور تشنہ روح کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

موسم بے حد سہانا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے روح پر عطر برسا رہے تھے۔ سبزہ گل کی رعنائیاں مستان ازل کو دعوت نظر دے رہی تھیں نگار فطرت مری کی رنگینیوں میں ڈوب گئی تھی اور زندگی اپنے سانولے مکھڑے پر کلیوں کا غازہ مل رہی تھی۔ حامد، روبی، شکیل اور شازیہ ابھی ابھی ایوبیہ دیکھ کر واپس لوٹے تھے۔ آج انہوں نے بڑی زبردست پکنک منائی تھی۔ تھک کر سب چور ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد سب نے چائے پی لی اور مری کے حسین نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے برآمدہ میں آ بیٹھے۔

"اچھی طرح نظروں میں بسالوان حسین نظاروں اور دل فریب مناظر کو۔۔۔ اب سے تین گھنٹے بعد آپ پنڈی کی گرمی میں جھلس رہی ہوں گی محترمہ!"

حامد نے شازیہ اور روبی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ریلنگ پر کھڑی نیچے وادی کے حسین مناظر میں کھوئی ہوئی تھیں۔ ان کے بولنے سے پہلے شکیل بول اٹھا۔ "کیوں ابھی سے آنے والے وقت سے ڈر رہے ہیں حامد صاحب! میرا تو دل یہاں سے جانے کو بالکل نہیں چاہتا۔۔۔" پھر وہ شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو چاہتا

ہوں کہ وقت کی رفتار ختم جائے اور ہم یہاں یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہیں۔۔۔ سچ یہ حسین وقت جو ہم نے اکٹھے گزارا ہے، میں قیامت تک نہ بھول سکوں گا۔۔۔ اور اس نوازش کے لیے میں حامد بھائی کا بے حد شکر گزار ہوں کہ جن کی بدولت ہمیں یہ پرسکون لمحات میسر آئے۔ ورنہ اپنی قسمت اتنی مہربان کہاں!"

"یار شکیل! ویسے تو تمہاری یہ باتیں مجھے کچھ درست ہی لگی ہیں، واقعی ہم یہ دن بھلانا سکیں گے۔۔۔ اور مجھے یہ دیکھ کر تو بے حد خوشی ہوئی ہے کہ میری شازیہ کا جیون ساتھی خوش اخلاق اور بے حد سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک ہے۔" حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شکریہ۔۔۔ بہت بہت شکریہ حامد بھائی۔۔۔ یہ آپ کا پیار اور خلوص ہے ورنہ میں تو جو کچھ ہوں وہ شازیہ اچھی طرح جانتی ہیں۔" شکیل نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شازیہ کو چھڑو۔۔۔ تم بہت سعادتمند ہو بیٹا! یہ ہم نے اچھی طرح جان لیا ہے۔" حامد نے تمسخر سے شکیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ذرا نوازی ہے حضور کی!" شکیل نے حامد کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

حامد کب چوکنے والا تھا جلدی سے اس کو گلے لگا کر بولا۔ "جیتے رہو بیٹھے! اللہ ہزاری عمر کرے۔۔۔ اور دس بیس بچوں سے نوازے۔۔۔ اور ہاں اب سب کچھ چھوڑ کر واپس پنڈی چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جانے کا وقت آ پہنچا ہے بر خوردار!"

روبی کا دونوں کی اداکاری پر ہنستے ہوئے برا حال تھا۔ شازیہ ان باتوں کی عادی تھی لیکن اس کے گلابی گلابی ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کے کنول روشن تھے۔۔۔ ایک جھپنی جھپنی اور شرمیلی سی مسکراہٹ!

پھر روبی اور شازیہ نے جلدی جلدی کپڑے وغیرہ سمیٹے اور جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ شازیہ نے قے آنے کے خطرے سے ڈر کر کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی حامد شکیل سے بولا۔

"ڈاکٹر صاحب! ہوشیار ہو جائیے۔ راستے میں آپ کو کافی مشکل ڈیوٹی سرانجام دینی پڑے گی۔"

"آپ نے ابھی سے بد دعائیں دینی شروع کر دیں۔۔۔" شازیہ نے ناگواری سے حامد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی۔۔۔ میں تو ذرا شکیل صاحب کو خبردار کر رہا تھا۔"

ساملی تک تو راستہ خیریت سے گزر گیا پھر شازیہ کو چکر آنے شروع ہو گئے لیکن وہ بڑی ہمت سے ضبط کرتی رہی اور دل ہی دل میں دعا مانگتی رہی کہ مجھے قے نہ آئے۔ حامد تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد شازیہ کی طبیعت پوچھ رہا تھا۔ اب شازیہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔ اور متلی بھی ہونے لگی۔

اس نے گھبرا کر ایک دم کہا۔

"گاڑی روکیے ذرا انکل۔"

حامد نے اک دم بریک لگائے۔ شازیہ نے جلدی سے باہر نکل کر قے کر دی اور وہیں نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئی۔

شکیل بجلی کی سی تیزی سے باہر نکلا۔۔۔ اور آگے بڑھ کر نڈھال اور زرد ہوتی ہوئی شازیہ کو کندھوں سے تھام لیا۔ روبی اور حامد بھی باہر نکل آئے تھے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا منہ پر لگے سے شازیہ کی طبیعت کچھ سنبھلی تو حامد بولا۔

"دیکھا شکیل صاحب! میں نے کہا تھا کہ بڑی زبردست ڈیوٹی لگے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ اپنی بیگم کے ساتھ پیچھے ہی تشریف رکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر کے ڈر سے طبیعت خراب نہ ہو۔۔۔ اور اگر کپڑے وغیرہ بھی خراب ہوں تو آپ ہی کے ہوں۔ میری بیگم نے تو آج ہی نیا سوٹ پہنا ہے بھائی۔"

سب ہنستے ہوئے پھر گاڑی میں بیٹھ گئے اور سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ شازیہ شکیل کی قربت سے اور بھی گھبرا رہی تھی اور بڑی بے نیازی سے کھڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر شکیل کی طرف نہ دیکھا۔ شکیل خاموش بیٹھا اس کے زرد ہوتے ہوئے حسین چہرے کو دیکھے جا رہا تھا جیسے اسے خطرہ ہو کہ اگر اس نے نظر ہٹائی تو یہ حسین اور دلکش چہرہ اسے دوبارہ دیکھنے کو نہ ملے گا۔۔۔

پھر یکایک اس نے وار فنگی سے شازیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شازی! باہر مت دیکھو۔۔۔ چیزوں کے جلدی جلدی گزرنے سے بھی چکر آنے لگتے ہیں۔ اور یہ دوا کھالو۔ امید ہے کہ کافی فرق پڑ جائے گا۔" اس نے ایک سفید سے گولی شازیہ کو پکڑا کر تھر موس میں سے چائے دیتے ہوئے کہا۔

شازیہ نے خاموشی سے گولی نگلی اور چائے پی کر کپ شکیل کو واپس دے دیا۔ مگر جو نہی اس نے نظر اٹھائی شکیل کی والہانہ نگاہوں سے بوکھلا گئی اور شکیل کی سحر آفریں کالی آنکھوں کے روشن دیوں سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور سر سیٹ کی پشت سے لگا لیا۔۔۔ بریک لگنے کے جھٹکے سے کبھی کبھی اس کا سر شکیل کے چوڑے شانے سے ٹکرا جاتا لیکن وہ جلد ہی سنبھل جاتی۔ لیکن شکیل اس کے لمس کے خوشگوار سحر میں کھو جاتا۔

پنڈی سے تقریباً بیس پچیس میل دور شازیہ کی طبیعت پھر بگڑ گئی۔ چکروں سے اس کا برا حال تھا۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں اس نے دیکھا کہ شکیل اسے بازوؤں میں تھامے سہارا دے کے گاڑی کے اندر لا رہا تھا۔۔۔ گاڑی پھر چل دی۔

شازیہ نڈھال شکیل کے سہارے بیٹھی رہی اور وہ بار بار گھبرا گھبرا کر اس کی پیشانی سے موتیوں کے قطرے اپنے رومال میں اکٹھے کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد شکیل نے ذرا جھک کر اس سے پوچھا۔

"شازی! اب کیسی طبیعت ہے؟"

تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ شکیل کا گرم گرم سانس اسے اپنے ماتھے پر محسوس ہو رہا تھا وہ جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ شکیل نے دوبارہ پوچھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے شازی؟"

"ٹھیک ہے۔"

شازیہ نے تھوڑا سا سراٹھا کر نیم والے آنکھوں سے شکیل کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر کے پھر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔

خدا خدا کر کے پنڈی آیا تو شازیہ کی جان میں جان آئی۔ ایک جگہ گاڑی کھڑی کر کے سب کے کوکا کولا پیا جس سے شازیہ کی طبیعت کافی سنبھل گئی۔ گھر پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے حامد نے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"توبہ توبہ۔ خدا بچائے تمہاری اس بیزار بیگم سے۔۔۔ سارا راستہ پریشان کیا ہے محترمہ نے۔۔۔" پھر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "خبردار جو تم نے آئندہ مری جانے کا نا بھی لیا۔ مصیبت ہو نری۔ شکر ہے کہ ہماری بیگم صاحبہ میں یہ صفت شریف نہیں ہے ورنہ گزارا مشکل ہو جاتا۔ میں تو ہر ہفتے مری بھاگ جاتا ہوں۔ اب دونوں اکٹھے جایا کریں گے۔ اور شکیل! یار آئندہ تم اسے گھر چھوڑ کر جانا۔" حامد نے منہ بنا کر کہا۔

"میں جایا ہی نہیں کروں گا بندہ پرور۔" شکیل نے شازیہ کی طرف دیکھا پھر بڑی میٹھی آواز میں کہا۔

"ان کے بغیر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اچھا جی چلیے۔ اب اندر بھی چلیں گے یا یہاں ہی رات بسر ہوگی۔" روبی نے مسکرا کر کہا۔

"ارے۔۔۔ چپ!"

"دلہن بیگم یہ مری نہیں۔ آپ کی سسرال ہے اور آپ کی صلاح کے لیے عرض ہے کہ ابھی آپ کی شادی کو صرف دس بارہ دن ہوئے ہیں۔" حامد نے تمسخر سے روبی کا دوپٹہ ماتھے تک کھینچ کر کہا۔

شرم سے روبی کا چہرہ متمتا اٹھا، اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔ روبی کی اس سراسیمگی پر تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑے اس پر روبی اور بھی نروس ہو گئی۔

اس پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ ان تینوں کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ شازیہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اندر چل دی۔

سامنے ہی سلمیٰ بیگم بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ ان سب کو آتے دیکھ کر خوشی سے ان کا چہرہ چمکنے لگا۔ محبت بھری آواز میں بولیں۔

"آؤ بچو آ جاؤ! سب خیریت سے ہونا۔ میں تو بالکل اداس ہو گئی تھی۔ آج تم لوگوں کو فون کرنے ہی والی تھی۔ اب تو تمہیں کہیں نہ جانے دوں گی۔ شازیہ بیٹی تمہاری طبیعت کیسی ہے کچھ سست نظر آرہی ہو؟"

"آپ سب کچھ تو جانتی ہیں بھابی جان! پھر اس کا حال پوچھ رہی ہیں۔

اس دفعہ تو شکیل صاحب پر ہنسی ہے۔" حامد نے ہنس کر کہا۔

"کیوں شکیل بیٹے! حامد ٹھیک کہہ رہا ہے؟" سلمیٰ بیگم نے ہنس کر پوچھا۔

"جی نہیں، کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔ ویسے ان کی طبیعت کافی خراب ہو جاتی ہے۔

آئندہ ہم لوگ مری نہیں جائیں گے امی جان!" شکیل نے سعادت مندہ سے کہا۔

داماد کی سعادت مندہ اور بیٹی کے بارے میں اس کی چاہت اور خلوص دیکھ کر سلمیٰ بیگم کو بہت خوشی ہوئی، وہ بڑے پیار سے بولیں۔

"خدا تعالیٰ تم دونوں کو شاد آباد اور خوش و خرم رکھے۔۔۔ اور ہاں دلہن تم کیسی ہو بیٹی۔

مری پسند آیا؟" انہوں نے روبی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ بہت پیاری جگہ ہے۔" روبی نے شرم کر کہا۔

"یہ تو وہاں سے آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں بھابی جان میں زبردستی لے آیا۔ کہتی

تھی کہ مجھے تو یہاں ہی رہنا ہے۔ میں نے کہا کہ میری بھابی جان گھر میں اکیلی ہیں اس

لیے تمہیں واپس جانا پڑے گا۔ بڑی مشکل سے مانی ہیں۔" حامد نے روبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو شازی! میں نے یہ کب کہا تھا؟" روبی گھبرا کر بولی۔

"میں سب کچھ جانتی ہوں بیٹی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ اس پاجی کی پرانی عادت ہے۔" سلمیٰ بیگم نے ہنس کر کہا۔

"جی۔۔۔ اچھا" روبی نے گھبرا کر کہا

اور سب اس کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ پر کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"تم لوگ تھکے تھکے لگ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کچھ دیر آرام کر لو۔" سلمیٰ بیگم نے پیار سے کہا۔

"جی بہتر!"

اور پھر چاروں اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

شازیہ کو راولپنڈی سے واپس آئے تقریباً ایک مہینہ ہو گیا تھا مگر یہاں آکر اداسی کچھ اس طرح مسلط ہوئی تھی کہ وہ اکثر پریشان سی ہو جاتی اور اپنے ساتھ اسے ہر چیز ویران ویران اور ادا نظر آنے لگی۔ ایک دن کھڑکی میں کھڑی وہ یونہی کسی بے معنی سوچ میں کھوئی کھوئی بڑبڑا رہی تھی۔

"ہر شے نہ جانے کیوں اداس ہے۔۔۔۔۔ بے حد سو گوار اور اداس!"

"خود میرا دل کتنا اداس اور بے قرار ہے لیکن اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے، تقدیر کے بے رحم اور بے دردا تھوں نے مجھے اس ماحول میں دھکیل دیا ہے جہاں ہر سو سناٹا ہے۔۔۔ صرف ایک جان لیوا تنہائی اور ظاہر داری۔۔۔ اداس راتیں۔۔۔ ویران صبحیں۔۔۔ اور بیتی ہوئی خوشگوار یادوں کی اذیت ناک کھک اور بے رحم جلن!"

"میرے مستقبل کی راہیں کسی بیوہ کی مانگ کی طرح سونی اور اداس پڑی ہیں۔۔۔ اف خدایا!۔۔۔ یہ پیڑ سی زندگی کیسے گزرے گی!"

دل کی جلن اور بے قرار سے نڈھال ہو کر شازیہ نے سر کھڑکی کے پٹ سے لگا دیا۔ آنکھیں بند کیے کیے نہ جانے وہ کتنی دیر کھڑی رہتی کہ شکیل کی آواز پر ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی۔ وہ بلند آواز میں صوفیہ بیگم کو پکار رہا تھا۔

"امی جان! امی جان!۔۔۔ ارے بھئی کدھر چلے گئے ہیں سب لوگ۔"

"امی جان اور رضوانہ رفعت خالہ کے ہاں گئی ہیں۔" شازیہ نے کمرے سے باہر نکل کر کہا۔

شازیہ کی آواز سن کر وہ اس کی طرف آگیا۔ وہ ایک استعجاب کی سی کیفیت میں اس کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ شکیل کے چہرے پر ایک بڑی دلنشین مسکراہٹ اور آنکھوں میں بڑی پیاری چمک تھی۔ وہ ایک وار فنگی میں اس کی طرف بڑھ آیا۔ اور خوشی سے بھرپور آواز میں بولا۔

"شازی۔۔۔! آج میں بے حد خوش ہوں۔"

شکیل نے آگے بڑھ کر شازیہ کے کندھے تھام کر بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ شازیہ اس کی حالت پر گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے لگی۔ "شازی۔ مجھے مبارکباد دو، حکومت اپنے خرش پر مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ بھیج رہی ہے۔" شکیل کا چہرہ دلی خوشی سے چمک رہا تھا۔

اور یہ سب تمہارے مبارک قدم کی برکت ہے۔"

"کتنے دنوں کے لیے؟" بے ساختہ شازیہ کے منہ سے نکلا۔

"ایک سال کے لیے۔۔۔ صرف ایک سال کے لیے لیکن۔۔۔ آپ۔۔۔ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اس کی آواز میں تلخی اور کالی کالی حسین آنکھوں میں ایک گلہ تھا۔

"ایسے ہی۔۔۔" شازیہ نے شکیل کی آنکھوں کی شکایت اور لہجے کی تلخی سے گھبرا کر کہا۔ شکیل شاید کسی اور جواب کا تمنائی تھا۔ اس نے بڑے شکایت آمیز انداز میں شازیہ کی طرف دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی دل تڑپ اٹھا۔۔۔ دل کی ساری تڑپ اور جلن اس کی آواز میں سما گئی، اور وہ قریب آ کر بولا۔

"آپ کو تو بڑی خوشی ہوئی ہوگی میرا باہر جانے کا سن کر۔۔۔ شکر کرتی ہوں گی کہ چلو ایک سال کے لیے بلا ٹلی!"

پھر اس نے بڑی دکھی نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شازی! دعا کرو کہ میں واپس نہ آؤں۔۔۔ راستے میں ہی میرا خاتمہ ہو جائے۔۔۔ اور تم اس ظاہر داری کے سنگین اور ظالم عذاب سے چھوٹ سکو۔ دعا کریں گی ناشازی؟"

"میری دعاؤں میں اتنا اثر کہاں۔۔۔ ورنہ سب سے پہلے تو میں۔۔۔ میں اپنی موت کی دعا مانگتی!" شازیہ نے بمشکل کہا اور اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے دہکتے ہوئے انگارے اس کے دل پر رکھ دیے ہوں۔ شکیل کی طنزیہ گفتگو کے تیر اس کے دل کے آر پار ہو گئے تھے۔۔۔ آج تک اس نے کبھی اس سے اونچی آواز سے بھی بات نہ کی تھی۔۔۔ یہ آج اسے کیا ہو گیا تھا۔ شازیہ کافی دیر تک بیٹھی شکیل کی باتیں یاد کر کے سسکتی رہی۔

رات صوفیہ بیگم اور رضوانہ جب واپس آئیں تو شکیل ڈرائنگ روم میں اکیلا بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ بیٹے کو خاموش دیکھ کر صوفیہ بیگم بے چین ہو گئیں۔

"کیا بات ہے شکیل بیٹے! تم کچھ پریشان اور چپ چپ ہو۔" صوفیہ بیگم نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں تو امی جان۔" شکیل نے صوفیہ بیگم کی آواز سے چونک کر کہا۔ "کچھ تو ضرور ہے بیٹا۔۔۔" صوفیہ بیگم نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

شکیل نے ایک دم اپنے آپ کو سنبھالا اور مسکرا کر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"امی جان! آپ کے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں۔"

"کیسی خوشخبری بیٹا۔۔۔ جلدی بتاؤ کوئی اچھی خبر ہے نا!" صوفیہ بیگم نے گھبرا کر جلدی سے پوچھا۔

"حد ہو گئی امی جان۔۔۔ آپ تو کمال کرتی ہیں، کہہ تو رہا ہوں کہ خوشخبری ہے، خوشخبری کا مطلب ہی ہوتا ہے خوشی کی بات۔۔۔ پھر اس میں گھبرانے والی کون سی بات ہے۔" شکیل نے ہنس کر ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"عامر کہاں ہے امی جان؟" اس نے انجان بن کر ماں کو ستانے کے لیے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں، پہلے مجھے وہ بات بتاؤ۔۔۔ شکیل تمہاری یہ ٹال مٹوب کی عادت بہت بری ہے جلدی بتاؤ کیا بات ہے؟"

"امی جان! گور نمٹ مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنے خرچ پر انگلینڈ بھیج رہی ہے۔ سارا انتظام مکمل ہو گیا ہے۔ مین انشاء اللہ پرسوں شام سات بجے کے جہاز سے چلا جاؤں گا۔ امی جان دیکھیں آپ کا بیٹا کتنا خوش نصیب ہے کہ گور نمٹ کے خرچ پر جا رہا ہے۔ وہاں ایسے لوگوں کی بہت عزت ہوتی ہے۔۔۔ جن کو گور نمٹ بھیجتی ہے۔۔۔ ارے یہ آپ رونے کیوں لگیں امی جان۔۔۔ خدا کے لیے چپ ہو جائیں۔ یہ تو خوشی منانے کا وقت ہے!" شکیل نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"شکیل تم نے بغیر میری اجازت کے یہ سب کچھ کر لیا بیٹا۔ تمہیں معلوم تو ہے کہ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔" صوفیہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"امی جان! میں نے آپ کو پہلے صرف اس لیے نہیں بتایا تھا کہ آپ پریشان ہوں گی اور اجازت اس لیے نہیں لی تھی کہ مجھے پکا یقین تھا کہ میری ماں اپنے بیٹے کے شاندار مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مجھے ضرور اجازت دیں گی۔ پھر امی جان ایک سال کی مدت ہوتی ہی کتنی ہے، پلک جھپکتے میں گزر جائے گی اور آپ کا یہ نالائق سا بیٹا سر جن بن کر واپس آ جائے گا۔۔۔ دیکھیے نا۔ اس عارضی جدائی کے پیچھے مستقبل کے کتنے حسین اور دلفریب نقشے بنے ہوئے ہیں۔" شکیل نے پیار سے ماں کو ساری اونچ نیچ سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تیری ساری باتیں سچ ہیں بیٹا! اور مجھے تجھ پر مکمل بھروسہ بھی ہے لیکن اتنی مدت تک نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے۔" صوفیہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا امی جان! آپ دیکھ لیجیے گا کہ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا، اور میں واپس آ جاؤں گا۔" شکیل نے ہنس کر کہا۔

"شکیل۔"

"جی امی جان!"

"دلہن سے بات کر لی ہے؟" صوفیہ بیگم نے شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔۔" پھر کچھ سوچ کر ایک دم سے۔۔۔ "جی نہیں امی جان!"

"اس کے مشورے کے بغیر ہی تم نے پروگرام بنالیا۔۔۔ بیٹا تمہیں پہلے شازیہ سے بات کرنی چاہیے تھی!"

"امی جان! ان کی پریشانی کی وجہ سے۔۔۔ میں بات نہیں کر سکا۔۔۔" شکیل نے بڑی مشکل سے بات بنائی۔

"رضوانہ! جاؤ اپنی بھابی کو بلا لاؤ بیٹی۔۔۔ وہ کدھر ہے، مجھے اس وقت سے نظر نہیں آئی۔" صوفیہ بیگم نے دیوان پر نیم دراز ہوتے ہوئے رضوانہ سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد شازیہ اندر داخل ہوئی تو آسمانی رنگ کے پاجامہ قمیض میں وہ بڑی سوگوار سی لگ رہی تھی۔ لمبی چوٹی کو انگلی پر لپیٹ اور کھول رہی تھی۔ باریک شیفون کا نیلا دوپٹہ دونوں شانوں پر لہرا رہا تھا۔ سامنے کے صوفے پر شکیل کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹکی پھر صوفیہ بیگم پر نظر پڑتے ہی وہ ان کی طرف مڑ گئی۔

"آپ نے مجھے بلایا امی جان؟"

"خیریت تو ہے، آپ کچھ فکر مند نظر آ رہی ہیں؟" شازیہ نے صوفیہ بیگم کے قریب دیوان پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں بیٹی۔۔۔ اس شکیل کی بات سنی تم نے، پر سوں ایک سال کے لیے انگلینڈ جا رہا ہے، میرا دل تو نہیں مانتا بیٹی کہ اسے کالے کوسوں بھیج دوں۔ لیکن یہ بضد ہے کہ اب سب انتظام مکمل ہو گیا ہے میں ضرور جاؤں گا۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" شازیہ خاموش بیٹھی رہی۔

"کچھ تو بتاؤ بیٹی۔" صوفیہ بیگم نے پیار سے کہا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں امی جان۔۔۔ آ۔۔۔ آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔" شازیہ نے سعادت مندی سے کہا۔

"مجھے تو سوچ کر ہی وحشت ہوتی ہے کہ ایک سال کی لمبی مدت اس کو دیکھے بنا کیسے بیتے گی۔" ساتھ ہی ان کے آنسو ٹوٹی مالا کے دانوں کی طرح ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ ماں کی مامتا کو دیکھ کر شازیہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔۔۔ لیکن۔۔۔ شکیل کو سامنے بیٹھے دیکھ کر اس نے جبط سے کام لیا اور اپنے انمول موتیں کو پلکوں سے گرنے نہ دیا۔ اس کوشش میں اس کی حسین بادامی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

شکیل اٹھ کر ماں کے گلے سے لگ گیا اور بڑے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"امی جان آپ تو ایسے ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ ابھی میں نے آپ کو ساری بات بتائی ہے کہ ایک سال کی مدت ہوتی ہی کیا ہے۔ پلک جھپکتے میں گزر جائے گا امی جان۔۔۔ خدا کے

لیے اپنے آپ کو سنبھالیے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے تو کہ آپ کے بیٹے کا مستقبل کتنا درخشاں ہو جائے گا۔۔۔ کیا آپ مجھے اچھے عہدے پر فائز دیکھنا نہیں چاہتیں۔۔۔" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں میرے چاند۔۔۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بھی بڑا عہدہ عطا فرمائے۔ اچھا میاں جو اللہ کی رضا ہے، وہی ہوتا ہے، وہ جو بھی کرتا ہے

بہتر ہی کرتا ہے۔ لیکن بیٹا وہاں جا کر خط لکھنا نہ بھولنا۔۔۔ تیرے خط مجھے سہارا دیں گے۔" صوفیہ بیگم نے آنکھوں کے کناروں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"امی جان! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے بالکل ہی نالائق سمجھتی ہیں۔" شکیل نے شاکی نظروں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا نہیں۔۔۔ میرا بیٹا تو لاکھوں میں ایک ہے۔ اللہ تجھے ہمیشہ سلامت رکھے۔۔۔ لیکن شکیل بیٹے ایک بات اور ہے۔"

"وہ کیا امی جان۔۔۔؟" شکیل نے جلدی سے پوچھا۔

"تمہارے بعد میری شازیہ رانی ادا ہو جائے گی۔۔۔ تمہیں اس بات کے بارے میں بھی تو سوچنا چاہیے تھا۔ میری بیٹی اکیلی رہ جائے گی۔۔۔ کیا شازیہ بیٹی تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔۔۔؟" صوفیہ بیگم نے پیار سے شازیہ کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں امی جان! اس سلسلے میں جو کوئی بھی جاتا ہے اس کے ساتھ کوئی نہیں جاسکتا۔۔۔ پھر یہ آپ کی بیٹی آپ کو چھوڑ کر تو کبھی نہ جائے گی۔۔۔ اور ہم غریبوں کے ایسے نصیب

کہاں۔۔۔ کہ کوئی ہمارے بغیر اداس ہو۔" شکیل نے آخری الفاظ بہت آہستہ سے شازیہ کے قریب منہ کر کے کہے جنہیں صوفیہ بیگم نہ سن سکیں۔

شازیہ نے سنا۔۔۔ اور خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔۔۔ اس کے کانوں میں شکیل کی پہلی باتیں گونج رہی تھیں۔۔۔ احساس کے نازک آئینوں کو چوٹ لگی۔۔۔ آنکھوں سے موتی گرے۔۔۔ اور پھر گرتے ہی چلے گئے! دودن پلک جھپکتے میں گزر گئے۔

آج شکیل کی روانگی کا دن تھا۔۔۔ صوفیہ بیگم کی حالت صبح سے غیر ہوئی جا رہی تھی لیکن وہ بڑی ہمت سے ضبط کر رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مجھے دیکھ کر شازیہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے گی۔ شکیل صبح سے ماں کے قریب بیٹھا ان کو باتوں میں لگائے ہوئے تھا۔ اور انہیں بار بار تسلی دے رہا تھا۔

نہ جانے آج کیا بات تھی کہ شازیہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس کا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ اپنی اس کیفیت پر وہ بہت سٹپٹائی تھی۔ اور کئی بار اوپر جا کر رو آئی تھی۔ رضوانہ اور عامر بھی بے حد اداس اور افسردہ تھے۔ محبوب بھائی کی جدائی انہیں بہت شاق گزر رہی تھی ہمیشہ ہنستے ہنسانے والا عامر بھی آپ چپ چاپ تھا۔ اسے چپ دیکھ کر شکیل نے کہا۔

"عامی ڈیر۔۔۔! یہ آج منہ کیوں لٹکا ہوا ہے جناب کا؟" شکیل نے عامر کو ہنسانے کے لیے کہا۔

عامر نے بڑی افسردہ سی نظروں سے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکرا کر بولا۔

"خود ہی درد دے رہے ہیں اور خود ہی پوچھتے ہیں دوا کیا ہے! یہ بھی خوب ہے بھائی جان!"

شکیل نے ایک جذبے میں بھائی کو گلے سے لپٹا لیا اور بڑے پیار سے بولا۔

"نہیں یار! ایسی باتیں نہیں کرتے۔۔۔ اور عامی میں نے تم سے ایک پرائیویٹ بات کرنی ہے۔ آؤ ذرا دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔" شکیل اس کی کمرے کے گرد بازو ڈالے اس کو دوسرے کمرے میں لے آیا۔

"فرمائیے بھائی جان!" عامر نے بے تابی سے پوچھا۔

"عامی شازی تم کو بہت چاہتی ہے نا؟"

"جی بھائی جان۔۔۔ شازیہ بھابی جان کا کہہ رہے ہیں نا آپ؟" کمرے کی کھڑکی کے آگے سے گزرتے ہوئے شازیہ کے کانوں میں عامر کی آواز پڑی۔ اپنا نام سن کر وہ وہیں ٹھہر

گئی اور آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کا تھوڑا سا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔ اندر شکیل اور عامر کھڑکی کی طرف پشت کیے صوفے پر بیٹھے تھے۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے پردہ چھوڑ دیا اور جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ پھر اپنا نام سن کر ٹھہر گئی۔ شکیل عامر سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو عامی! میرے جانے کے بعد تمہاری بھابی اکیلی رہ جائیں گی وہ گھبرا جائیں گی۔۔۔"

لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم شازی کو اداس نہ ہونے دو گے۔۔۔ وہ بہت حساس ہے

عامی۔۔۔ اس کو کسی قسم کی کوئی بات یا تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے امی جان اور

رضوانہ کو بھی تاکید کر دی ہے۔۔۔ لیکن تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اس کے

دوست اور بھائی بھی ہو۔۔۔ وہ تمہیں بہت پیار کرتی ہے عامی اور میں جانتا ہوں کہ تمہیں بھی اس سے بہت پیار اور عقیدت ہے۔"

"جی بھائی جان۔۔۔! مجھے تو وہ لگتی ہی بہت اچھی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ ہیں ہی بہت پیاری۔۔۔ آپ بالکل فکر نہ کریں بھائی جان میں بھابی دی گریٹ کو بالکل ہی ادس نہ ہونے دوں گا۔"

"عامی! ایک بات اور ہے جس کا تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ مجھے شازی کے بارے میں ہفتے میں ایک بار ضرور خط لکھا کرنا کہ وہ کیسی ہیں اور سارا دن کیا کرتی ہیں۔ اور عامی وہ جو چیز بھی منگوائیں وہ ضرور لا کر دیا کرنا خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔۔۔ اچھا بھئی پھر پکا وعدہ ہے ناکہ تم ہماری امانت کی پوری پوری حفاظت کرو گے؟" شکیل نے اپنا ہاتھ عامر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عامر نے بڑے پیار سے بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں تھام کر کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ ہر حالت میں پورا کروں گا۔" پھر ہنس کر بولا۔ "بھائی جان لیکن اس سخت ڈیوٹی کے بعد ہمیں کیا ملے گا؟"

"جو تم کہو ہم دینے کے تیار ہیں بھئی۔"

"ہمارے لیے وہاں سے چھوٹا سا ریڈیو لایئے گا۔" عامر نے ہنس کر کہا۔

"وعدہ رہا، میں تمہارے لیے ریڈیو ضرور لاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"چلو بھئی اب ادھر چلتے ہیں۔ دیکھیں سب لوگ کیا کر رہے ہیں۔" دونوں جانے کے لیے اٹھے تو شازیہ جلدی سے دوسرے کمرے میں گھس گئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ عامر اور شکیل کی باقی دماغ میں گونج رہی تھیں۔ وہ پریشان پریشان سی ادھر ادھر گھومنے لگی اور کئی بار وہ دوسرے لوگوں سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ آج چائے پر کافی لوگ مدعو تھے۔ ہر طرف رنگ برنگے آنچلوں اور ساڑھیوں نے ایک آگ سی لگائی ہوئی تھی۔ دعوت کیسی بھی ہو عورتوں کو تو لباس پہننے کا خبط ہوتا ہے۔ یہ پارٹ اس بات کی زندہ مثال پیش کر رہی تھی۔ اور اس پر کسی شادی کا گمان ہو رہا تھا۔ شازیہ نے ہلکے پستی کلر کی ڈشن کی ساڑھی پہن رکھی تھی جس پر سفید موتیوں کا ہلکا سا کام بنا ہوا تھا۔ بالوں کی لمبی ناگن کمر پر لہرا رہی تھی اور وہ ہر چیز سے بے نیاز آنے والے لوگوں کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھی۔ سلمی بیگم اور قادری صاحب بھی آئے تھے۔ حامد نے معذرت کا تار بھیجا تھا کہ اس کو اتنی جلدی چھٹی نہیں مل سکی۔ سلمی بیگم بیٹی کو سسرال میں مصروف دیکھ کر مطمئن تھیں۔ شکیل کے جانے کے خیال سے بڑی افسردہ ہو رہی تھی۔

شازیہ ان کو اور صوفیہ بیگم کو چائے بنا کر دے رہی تھی کہ شکیل اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ اور نہایت دھیمی آواز میں شازیہ کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"بار خطر نہ ہو تو میرے لیے بھی اک کپ چائے بنا دیجیے۔۔۔" پھر سامنے آ کر غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"پھر نہ جانے آپ کے مبارک ہاتھوں سے بنی ہوئی چائے نصیب بھی ہوگی یا نہیں؟" اور اس کے ساتھ ہی وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

شازیہ نے پہلے تو سوچا کہ انکار کر دے۔۔ پھر اس کے جانے کا سوچ کر اس نے نہایت خاموشی سے چائے بنائی اور شکیل کے قریب آ کر بولی۔

"لیجیے۔۔۔!"

"شکریہ۔۔۔!" شکیل نے کہ تھام لیا اور شازیہ کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولا۔

"ساقی نے کچھ ملانہ دیا ہو شراب میں۔"

شازیہ گھبرا کر جانے کے لیے مڑی لیکن شکیل کی آواز پر رک گئی۔

"ذرا سنیے تو۔۔۔!"

"شازی!"

شازیہ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ نہایت متانت سے بولا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں؟"

شازیہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ مگر زبان سے کچھ نہ بولی۔

"شازیہ! گو مجھے اس کا کوئی حق نہیں ہے پھر بھی آپ س التجا کرتا ہوں کہ میرے بعد امی

جان کا خیال رکھیے گا۔ وہ آپ کو دیکھ کر جیتی ہیں۔۔۔ ہم پر دیسیوں کا کیا۔۔۔ کسی نہ کسی

طرح جی ہی لیں گے۔"

شکیل نے بڑی افسردگی سے کہا اور اپنی پریشانی چھپانے کے لیے جلدی جلدی چائے کے گھونٹ پینے لگا۔

تقریباً چھ بجے سب لوگ ایر پورٹ روانہ ہو گئے، وہاں بڑا رش تھا، ملنے والے اور دوست احباب شکیل کو الوداع کہنے آئے ہوئے تھے۔ پھولوں اور نوٹوں کے ہاروں سے شکیل کی شکل نظر نہ آرہی تھی وہ مسکرا مسکرا کر سب کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

پھولوں اور نوٹوں سے لدا پچھا صوفیہ بیگم کے قریب آیا۔۔۔ اور ہار اتارتے ہوئے بولا۔ "امی جان خدا کے لیے میرا یہ بوجھ ہلکا کیجیے۔" اس نے ماں کے گلے میں ڈالنے کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔۔۔ لیکن صوفیہ بیگم نے سارے ہاروں کو ہاتھوں پر روک لیا اور ہنس کر بولیں۔

"ہے۔۔۔ ہے۔۔۔ میاں یہ کیا کر رہے ہو، میں بوڑھی عورت ہار ڈالے کیا اچھی لگوں گی۔ شازیہ بیٹی کے گلے میں ڈال دو۔۔۔ بھئی تم دونوں کا بوجھ مشترک ہے، خود ہی اٹھاؤ۔۔۔" صوفیہ بیگم نے مسکرا کر شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شکیل پلٹا تو سامنے ہی شازیہ کچھ عورتوں سے کھڑی باتیں کر رہی تھی وہ ادھر بڑھا، سارے ہار شازیہ کے گلے میں ڈال دیے اور اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے بولا۔

"خدا کرے، آپ ہمیشہ ان پھولوں کی طرح مسکراتی رہیں!" اس کی آواز مٹھاس سے لبریز تھی۔

شازیہ نے ایک ثانیہ کے لیے شکیل کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھوں میں پیار اور ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ لیے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شازیہ نے ان کالی شریر آنکھوں کی تپش سے گھبرا کر جلدی سے نظریں چرائیں۔ عین اسی وقت صوفیہ بیگم نے اسے آواز دی۔

"شازیہ بیٹی!"

"جی امی جان!"

"بیٹی! یہ امام ضامن ذرا شکیل کے دائیں بازو پر باندھ دو!" صوفیہ بیگم نے امام ضامن شازیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"امی جان۔۔۔ آپ۔۔۔ خود اگر۔۔۔"

"نہیں بیٹی، اب تمہارا اس پر زیادہ حق ہے۔ خدا ساتھ خیریت کے تمہارا سہاگ واپس لائے۔ اور میٹھی مرادیں نصیب کرے۔۔۔ جاؤ شباہ جلدی سے باندھ دو۔ وقت اب کم رہ گیا ہے!" صوفیہ بیگم نے امام ضامن شازیہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا!"

شازیہ بادل ناخواستہ اٹھی۔۔۔ سامنے ہی شکیل اپنے دوستوں سے مل رہا تھا۔ شازیہ کے ہونٹ کانپے اور اس کے گلابی ہونٹوں سے نہ جانے کیسے نکل گیا۔

"شکیل۔۔۔ صاحب!"

پھر اپنے ہی الفاظ سے گھبرا کر وہ واپس پلٹی۔ لیکن شکیل نے اس کی آواز سن لی تھی۔ بجلی کی سی تیزی سے وہ مڑا اور اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے شازی؟"

شکیل نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ حیران پریشان سی کھڑی تھی۔ اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا بات ہے شازی۔۔۔ کیوں بلایا تھا؟" شکیل نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔" شکیل کے وار فنگی سے دیکھنے کے انداز پر وہ سٹپٹا گئی تھی۔

"وہ۔۔۔ کیا۔۔۔" شکیل نے اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ وہ امی جان۔۔۔ کہتی ہیں۔۔۔ کہ یہ امام ضامن بازو پر بند ہوا لیجیے۔۔۔" شازیہ نے بمشکل بات پوری کی۔

"زہے نصیب۔۔۔ شکر ہے کسی کو ہمارا خیال تو آیا۔ یہ لیجیے جناب۔۔۔" شکیل نے آستین اٹھا کر بازو شازیہ کے آگے کر دیا اور خود بڑی شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"دایاں بازو لائیے۔۔۔" شازیہ نے گھبرائی گھبرائی آنکھوں سے شکیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ۔۔۔ معاف کیجیے گا۔ مجھے معلوم نہ تھا۔۔۔" اور اس نے دایاں بازو آگے کر دیا۔ اس کی نظریں شازیہ کے خوبصورت لرزتے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

شازیہ نے بڑی مشکل سے کانپتے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے امام ضامن شکیل کے بازو پر باندھ دیا۔

"شازیہ کیا تم نے یہ خلوص دل سے باندھا ہے؟" شکیل نے بڑی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"م۔۔۔م۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔" شازیہ نے گھبرا کر چہرہ پیچھے کر لیا۔۔۔ اور دو قدم پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"میری یہ دعا۔۔۔ اور التجا ہے شازیہ۔۔۔ کہ خدا کرے آپ سب کچھ جان جائیں۔۔۔ سب کچھ۔۔۔"

"اچھا خدا حافظ!"

اس نے بڑے غور سے شازیہ کی طرف دیکھا پھر ماں اور دو سے عزیز واقارت سے مل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس ہجوم میں شامل ہو گیا جو جہاز کی طرف جا رہا تھا۔

جہاز میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنا دایاں بازو ہوا میں لہرایا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

شازیہ کا دل بے اختیار دھڑکا۔۔۔ اس نے جہاز کی طرف دیکھا جو ایرپورٹ پر رینگ رہا تھا۔ کچھ دور جا کر وہ رکا اور انجن پوری رفتار سے گرجنے لگا۔ پھر انتہائی تیز رفتاری سے رن وے پر دوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ سب لوگ دیر تک مدہوش کھڑے جہاز کو دیکھتے رہے۔ جس کے جلتے بجھتے سگنل اب آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے، پھر

سب بوجھل غمگین دل اور اشکبار آنکھیں لیے واپس لوٹ آئے۔ اور جس کو جانا تھا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلا گیا۔۔۔ اپنے گھر سے دور۔۔۔ وطن سے دور۔۔۔ اور اپنے پیاروں سے بھی دور۔۔۔ بہت دور!

وقت کا پنچھی ہر چیز سے بے خبر اور لا پرواہ اپنی ہی دھن میں اڑتا جا رہا تھا۔ شکیل اپنی ازدواجی زندگی کی الجھنوں کو سلجھانے کی سعی کرتے کرتے شازیہ سے ہی دور سمندر پار جا بسا تھا اور آج اسے گئے پورے بیس دن گزر چکے تھے۔ اس کا وہاں خیریت سے پہنچنے کو خط بھی آچکا تھا۔

سب گھر والے بہت افسردہ اور اداس تھے۔۔۔

شکیل کیا گیا تھا جیسے ستاروں میں روشنی نہ رہی تھی، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا، معلوم ہوتا تھا جیسے گھر سے نہ معلوم کتنے لوگ کم ہو گئے ہیں۔ صوفیہ بیگم کو تو ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ جب بھی بات کرتیں، شکیل کے بارے میں ہی کرتیں۔

"اب میرا بیٹا وہاں اکیلا ناشتہ کر رہا ہوگا۔۔۔ اب کھانا کھا رہا ہوگا۔۔۔ نہ معلوم وہ لوگ اس کی پسند کی چیز پکائیں گے یا نہیں۔ پتا نہیں میرے بچے نے کیا کھایا ہوگا۔

گھر میں جس دن شکیل کی پسند کی کوئی چیز پکتی، صوفیہ بیگم اس دن اچھی طرح کھانا نہ کھاتیں۔ شکیل کے ساتھ ان کی یہ والہانہ چاہت دیکھ کر شازیہ بہت متاثر ہوئی۔

صوفیہ بیگم اب شازیہ کا پہلے سے بھی زیادہ خیال کرنے لگی تھیں۔ اس کو کسی وقت بھی اداس یا چپ نہ بیٹھنے دیتی تھیں۔

ایک دن سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ شازیہ صوفیہ بیگم کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"امی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ دنوں کے لیے ابا جان کے ہاں چلی جاؤں!"
 "بڑی خوشی سے جاؤ بیٹی۔۔۔ لیکن جلدی واپس آ جانا۔ شکیل کے جانے کے بعد میں تمہیں دیکھ کر جیتی ہوں۔ تم دونوں ہی میری آنکھوں سے او جھل ہو گئے تو میں گھبرا جاؤں گی، شازیہ رانی۔۔۔" صوفیہ بیگم کی آنکھیں جھللا گئیں۔

شازیہ ان کی اس حالت سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے دل میں سوچا، کون کہتا ہے کہ ساس ظالم ہوتی ہے، مجھے تو میری ساس نے اپنی ماں سے زیادہ پیار دیا ہے۔ یہ سب لوگ کتنے اچھے ہیں اگر شکیل بھی ان جیسا ہوتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہ ہوتا۔۔۔ وہ ان ہی خیالوں میں بھٹک رہی تھی کہ صوفیہ بیگم کی آواز پر چونک پڑی۔

"شازیہ بیٹی!"

"جی امی جان!" وہ جلدی سے بولی۔

"کب جانے کا ارادہ ہے بیٹی۔۔۔ میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گی،

کتنے دنوں کے لیے جاؤ گی؟"

شازیہ کے بولنے سے پہلے ہی رضوانہ بول اٹھی۔

"بھابی جان! جلدی آجائے گا، آپ کے بغیر ہمارا دل نہ لگے گا۔" رضوانہ نے بڑی اداسی سے کہا۔

"ہاں بیٹی ذرا جلدی واپس۔۔۔"

صوفیہ بیگم کی بات پوری ہونے سے پہلے شازیہ بول اٹھی۔

"میں نہیں جاؤں گی امی جان۔۔۔ میں آپ کو افسردہ نہیں دیکھ سکتی۔۔۔ آ۔۔۔ آپ کتنی اچھی ہیں امی جان۔ کاش۔۔۔ میں آپ کے کچھ کام آ سکتی۔" شازیہ نے بڑے دلگرفتہ لہجے میں کہا۔

صوفیہ بیگم نے شازیہ کو گلے سے لگالیا اور کافی دیر تک اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی رہیں تو شازیہ ان کا خلوص اور والہانہ پیار دیکھ کر سسک پڑی۔

"ارے۔۔۔ ارے یہ رونا کیوں شروع کر دیا بیٹی!" صوفیہ بیگم نے گھبرا کر کہا۔

"آپ کا یہ والہانہ پیار ہی تو ہمیشہ میرے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیتا ہے امی جان و۔۔۔ ورنہ میں اب تک نہ جانے کہا پر۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہو شازیہ بیٹی۔۔۔" صوفیہ بیگم نے اس کا سر اونچا کرتے ہوئے پوچھا۔

صوفیہ بیگم پر نظر پڑتے ہی وہ ہوش میں آ گئی اور چونک کر جلدی سے بات بدل دی۔

"اوہ۔۔۔ نہ جانے میں کیا بک رہی تھی۔۔۔ امی جان میں تو ایسے ہی معلوم نہیں کیا کہہ گئی۔۔۔" اس نے بات کو جلدی سے سنبھال کر کہا۔

"میرا مطلب ہے امی جان۔۔۔ کہ اگر آپ مجھے اتنا پیار نہ دیتیں تو۔۔۔ تو میں اس وقت نہ جانے کس حال میں ہوتی۔۔۔" شازیہ نے زبردستی ہنس کر کہا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے لیے ان کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید۔۔۔ شازیہ یہاں خوش نہیں ہے۔ لیکن شازیہ کو مسکراتا دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئیں اور پیار سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"دیکھو دلہن! آج تو تم روئی ہو لیکن آئندہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔۔۔ غور سے سن لو بیٹی!"

"جی بہت اچھا می جان۔۔۔" شازیہ نے مسکرا کر کہا ہی تھا کہ عامر بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"بھابی دی گریٹ!"

"آپ کا خط آیا ہے، معلوم ہے کہاں سے؟" عامر نے خط ہاتھ میں نچاتے ہوئے شرارت بھری نظروں سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا جانوں۔۔۔" شازیہ نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"حضور والا انگلینڈ سے آیا ہے انگلینڈ سے!"

پھر بڑی سنجیدہ صورت بنا کر شازیہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"بھابی دی گریٹ! انگلینڈ میں آپ کا کون رہتا ہے؟"

"تمہارا سر رہتا ہے۔۔۔" شازیہ نے ہنس کر کہا۔

"میرے سر غریب کی اتنی مجال کہاں حضور۔۔۔ ویسے اگر آپ نہیں جانتیں تو لیجیے میں بتائے دیتا ہوں۔۔۔ کہ وہاں تو میرے پیارے پیارے شکیل بھائی رہتے ہیں۔" پھر شرارت سے آنکھیں نچا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ کے وہ کیا لگتے ہیں جی۔۔۔ اور کیا آپ ان کو جانتی ہیں؟"

"جی نہیں۔۔۔ میں کسی کو نہیں جانتی اور۔۔۔ ہاں عامی تو اتنا چالاک کیوں ہو گیا ہے۔" شازیہ نے ہنس کر اس کے کان پکڑ کر کہا۔

"خدا کے لیے کان نہ مڑو ریے گا۔۔۔ یہ لیجیے جناب اپنا خط۔۔۔ عامر نے جیب میں سے خط نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"چلو بھاگو یہاں سے۔۔۔" شازیہ نے خط لے کر ہنس کر عامر کو باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔

"جار ہا ہوں حضور! اب بیٹھ کر اطمینان سے خط پڑھیے۔۔۔ اور خیال ہی خیال میں بھائی جان سے شکوے کھیجیے!"

"میں مار بیٹھوں گی عامر اللہ کی قسم۔۔۔ تیری آج شامت آگئی ہے شاید۔۔۔" شازیہ نے اس کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھ کر کہا۔

"اف میری توبہ۔۔۔" وہ تیر کی سی تیزی سے بھاگ گیا

اور شازیہ خط لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

کافی دیر تک وہ خط ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔۔۔ نہ معلوم وہ خط کھولتے ہوئے ہچکچا کیوں رہی تھی۔۔۔ اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شکیل یہیں کہیں چھپا کھڑا ہے اور اسے اپنی

گہری گہری کالی شریر آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن۔
۔۔ کمرے میں سوا اس کے اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اپنی اس بے وقوفی پر وہ جھنجھلا اٹھی
پھر اس نے بڑی ہمت سے خط کھول لیا۔

خط شکیل کا ہی تھا۔۔۔ اور اس کے نام شکیل کا پہلا خط تھا۔

سب سے اوپر لکھا تھا۔

انگلینڈ

جیون ساتھی۔۔۔!

نہیں۔۔۔

دامن جھٹک کے کر دیے گل تُو نے وہ چراغ

روش کیے جو تیرے تبسم کی آتش سے

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں اور ہم جیسے انسانوں کے لیے تو یہ لفظ اپنے متضاد معنی ہی
دیتا ہے۔

شازی۔۔!

آپ کی ایک تصویر بغیر اجازت لے آیا ہوں، دیار غیر میں کچھ تو سہارا ہونا چاہیے تھا امید ہے
کہ پر دیسی سمجھ کر معاف فرمادیں گی۔

اس جسارت کی معافی چاہتا ہوں کہ میں براہ رست آپ کو خط لکھ دیا۔ مگر یہ میرا پہلا اور
آخری خط ہوگا۔ آئندہ آپ کو سادہ کاغذ پست کر دیا کروں گا۔۔۔ تاکہ امی جان کو تسلی

رہے کہ میں آپ کو خط لکھتا رہتا ہوں۔ بار خطر نہ ہو تو اپنے مبارک ہاتھوں سے کبھی
کبھی امی جان اور دوسرے لوگوں کے بارے میں کچھ تحریر کر دیا کریں، بہت نوازش
ہوگی۔ یہاں موسم بے حد خوشگوار ہے۔ ہر طرف رنگ و نور ہے۔ راتیں بہت رنگین
ہوتی ہیں لیکن ہم جیسے بد نصیبوں کے لیے تو روشنی کی کوئی کرن نہیں۔۔۔ کاش میں نے
آپ کو کبھی نہ دیکھا ہوتا۔۔۔ یا کاش آپ میری ہمزاد اور دمساز ہوتیں!

موتی تو نہیں تھے کوئی پلکوں سے جو چنتا

ہم آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسو کی طرح تھے

بد نصیب

شکیل

خط پڑھ کر نہ جانے کیوں شازیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے سر جھٹک کر اس نے چہرہ اوپر
اٹھایا۔۔۔ تو سامنے ہی شکیل کی تصویر مسکرا رہی تھی، وہ اٹھی اور بے اختیار تصویر کے
قریب چلی گئی۔ شازیہ ایک بے خیالی میں تصویر کو دیکھے جا رہی تھی اور اسے یوں محسوس
ہو رہا تھا جیسے کوئی انجانی چیز اس کے دل و دماغ کے نازک حصوں میں چھبستی جا رہی ہے
اس نے گھبرا کر سر جھٹک دیا۔

آخر یہ میٹھی میٹھی کس لیے ہے۔ ایک انجانا درد کیوں محسوس ہوتا ہے۔۔۔

نگاہیں تصویر پر جمی ہوئی تھیں اور دل بے قرار سا ہوا جا رہا تھا۔۔۔ کوئی بھی تو تمہیں برا
نہیں کہتا۔۔۔ تم کیا ہو شکیل!

اپنی اس کیفیت پر وہ جھنجھلا اٹھی۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔۔۔ قریب رہ کر جس کو میں نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا، دور جا کر وہ کیوں میرے ذہن پر چھانے لگا ہے۔ مجھے یہ کیوں محسوس ہونے لگا ہے کہ اب میں اکیلی رہ گئی!" وہ اپنے دل کی آواز سے گھبرا اٹھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں میں اکیلی نہیں ہوں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ میرا کچھ نہیں ہے۔۔۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

نگاہیں پھر تصویر کی طرف اٹھ گئیں اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے تصویر کہہ رہی ہے۔۔۔ کہ پھر اتنی دیر سے کیوں مجھے دیکھے جا رہی ہو!

یہ کیا ہے۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ تصویر جیسے بول اٹھی۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں شازی۔۔۔ جتنا تم نے مجھے سمجھ رکھا ہے!"

اس نے بری طرح سر جھٹک دیا۔

"میں کیا کروں۔۔۔!"

"شازی تو اب اسے پسند کرنے لگی ہے!"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔۔ یہ جھوٹ ہے

وہ میرا کچھ نہیں ہے۔۔۔ یہ غلط ہے۔۔۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں!

دل تڑپا۔

"تو جھوٹ کہتی ہے۔۔۔ تو جھوٹ کہتی ہے۔۔۔!"

"تمہاری آنکھیں کہتی ہیں کہ یہ سچ ہے۔" دل نے پھر سرگوشی کی دماغ جھنجھلا اٹھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔۔۔ وہ میرا کچھ نہیں ہے۔۔۔ میری آنکھیں کچھ نہیں کہتیں!"

اور پھر غیر شعوری طور پر اس نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے شکیل اس کے قریب کھڑا اسے اپنے کالی کالی اور گہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس نے جھنجھلا کر آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور اپنی بے وقوفی پر مسکرا کر سر بری طرح جھٹک دیا۔

اس کے باوجود دل کی خلش اور دماغ کا دھیمادھیمایمان اور بے کلی رفع نہ ہوئی اور وہ کسی بے کل اور بے قرار روح کی طرح گھر میں ادھر ادھر پھرتی رہی۔

شکیل کو گئے تقریباً ایک سال ہونے والا تھا۔

درختوں کی گھنی گھنی شاخوں میں سے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی روشنی چھن چھن کر ماحول کو رنگین بنا رہی تھی۔ نکھرے ہوئے آسمان کی پرسکون فضا اور ڈوبتے ہوئے آفتاب کی الوداعی کرنیں اپنی آخری بہار دکھا رہی تھیں۔

یہ مناظر وہ ہوتے ہیں جو ان دلوں کو بھی اسیر کر لیتے ہیں جنہیں دکھ نے تڑپا رکھا ہوا یا سکھ نے آسودہ کر دیا ہو۔

شازیہ اس وقت باغ میں تنہا بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور تنہائی اس کا کچھ عجیب ہی عالم تھا۔ خلوت نے اس کو اپنے میں جذب کر رکھا تھا مناظر قدرت کی رنگینیوں نے اس کے جذبات میں ایک ہیجان سا برپا کر رکھا تھا۔ اس رنگین اور دل فریب ماحول میں وہ تڑپ رہی تھی۔

کاش مجھے کسی کا سچا پیار حاصل ہوتا۔۔۔ یہ بناوٹ اور ظاہر داری مجھے زندہ نہ چھوڑے گی۔ پیار، کتنا حسین اور دلکش لفظ ہوتا ہے۔ پیار جس کی ہر ذی روح کو خواہش ہوتی ہے۔۔۔

پیار جس کے لیے لوگ جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیا مجھے ایسا پیار کبھی نہ ملے گا، جو اس زندگی کے خاموشی اور بے قرار ساز سے کوئی رنگین نغمہ چھیڑ سکے۔

"ہائے یہ شیریں تمنا۔۔۔ یہ اضطراب انگیز آرزو۔۔۔ کیا یہ خواب کبھی پورا نہ ہوگا!" بے خیال میں وہ قدرے اونچی آواز میں بڑبڑا اٹھی۔

"کون سا خواب بھابی دی گریٹ؟" رضوانہ کی آواز نے اس کو چونکا دیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔" شازیہ نے گھبرا کر رضوانہ کی طرف دیکھا۔ "میں کیا کہہ رہی تھی رضو ڈیر؟"

"کسی خواب کے بارے میں کہہ رہی تھیں۔۔۔ کہ کیا یہ خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔۔۔ کون سا خواب دیکھ رہی ہیں بھابی حضور؟"

"ہمیں کچھ بتادیں ہم بھی دعا کریں گے کہ وہ خواب اگر ہماری بھابی جان کو پسند ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور پورا کرے۔۔۔ کیسا خواب ہے بھابی جان؟" رضوانہ نے ہنس کر پوچھا۔

"تم نے تو اچھی خاصی تقریر کر ڈالی رضو ڈیر۔ میں۔۔۔ مجھے تو ایسے ہی ایک جملہ یاد آ گیا تھا۔ میں اسے دہرا رہی تھی اور تو کئی بات نہیں تھی اور تمہیں شاید پتا ہی ہو کہ میں خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہوں۔۔۔ اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ تم کیسے آگئیں؟" اور رضوانہ ایک دم سے ہی شازیہ سے لپٹ گئی۔

"بھابی جان۔۔۔ میری بھابی جان!"

"ارے۔۔۔ ارے یہ کیا وحشت ہے بھئی۔۔۔ مجھے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ بات کیا ہے، کچھ منہ سے تو پھوٹ گونگی!" شازیہ نے اسے پیار سے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"ٹیلی گرام!"

رضوانہ نے آنکھیں نہچائیں۔

"کیسا ٹیلی گرام بھئی؟" شازیہ نے تعجب سے پوچھا۔

"ٹیلی گرام آیا ہے بھابی جان ٹیلی گرام۔۔۔!" رضوانہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"کس کا رضو؟"

شازیہ کا دل دھڑک کر پہلو میں مچلا۔

"آپ بتائیے بھلا؟"

وہ شرارت بھری آنکھوں سے بولی۔

"میں کیا جانوں۔۔۔ کیا مجھے الہام ہوتا ہے۔۔۔ تم ہی بتاؤ۔" شازیہ نے بناوٹی غصے سے رضوانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ غصے بھری حسین آنکھیں نیچی کیجیے حضور، ورنہ ہم غریبوں کی خیر نہیں۔" رضوانہ نے تمسخر سے کہا۔

"نہ بتاؤ، میں جارہی ہوں!"

شازیہ نے سچ مچ جانے کے لیے قدم اٹھا دیے۔

تو رضوانہ نے جلدی سے کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"لیجیے جناب ناراض نہ ہوں۔"

شازیہ نے کاغذ کھولا۔

"میں کل شام چار بجے کے جہاز سے پہنچ رہا ہوں۔

شکیل۔"

کاغذ شازیہ کے ہاتھ میں کانپ گیا۔۔۔ سال بھر کا عرصہ کتنی جلدی گزر گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر رضوانہ کی طرف دیکھا تو وہ دوبارہ اس سے لپٹ گئی۔

"مبارک ہو بھابی جان!"

وہ خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔

"چل شریر کہیں کی۔"

"امی جان کو بتایا ہے رضو۔" شازیہ نے اس کی بات سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔ ابھی ابھی بتا کر آئی ہوں۔۔۔ وہ بے حد خوش ہیں بھابی جان! اور آپ کو بلارہی ہیں۔"

"ارے میں یہاں آ کر بیٹھ گئی، وہ اندر انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"چلیے، ذرا جلدی چلیے۔"

پھر دونوں اندر کی طرف چل دیں۔

شازیہ کے اندر داخل ہوتے ہی صوفیہ بیگم نے اسے گلے لگا کر اس کا ماتھا چوما پھر کہا۔

کل میرا شکیل آ رہا ہے سیٹی۔۔۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ایک سال کتنا لمبا ہو گیا۔ اللہ

تعالیٰ اسے ساتھ خیریت کے واپس لائے۔۔۔ جانے ایک سال میں میرا بچہ کیسا ہو گیا

ہوگا۔۔۔ "خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"رضوانہ۔۔۔ اور خوانہ!"

"جی امی جان۔۔۔!" رضوانہ نے قریب آ کر پوچھا۔

"سب کو اطلاع کرادو بیٹی۔۔۔ ورنہ بعد میں لوگ گلہ کریں گے کہ ان کو اطلاع نہیں

دی۔ دونوں بہنیں جلدی جلدی کچھ انتظام کرلو۔" ماں کی مامتا خوشی سے بے حال ہوئی

جارہی تھی۔

"شازیہ بیٹی!"

"جی امی جان!"

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔۔۔ تم لوگ خود ہی سب کچھ کرلو بیٹی۔۔۔ حامد میاں کو ضرور بتا دینا۔۔۔ بلکہ ابھی ابھی فون کر دو۔۔۔ وہ پہلے بھی شکیل سے نہیں مل سکا تھا۔۔۔ اور ہاں کچھ مٹھائی ابھی منگوا لو بیٹی اور اپنے ہاتھ سے سب نوکروں میں تقسیم کر دو۔۔۔ جاؤ بیٹی جلدی کرو۔۔۔ اور ہاں کچھ اپنے ہاتھ سے خیرات بھی کر دو۔۔۔"

اللہ تمہارے سہاگ کو ساتھ خیریت کے واپس لائے۔۔۔۔۔"

انہوں نے پھر شازیہ کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی بڑی قسمت والی ہے!"-----

دن کے بارمچ رہے تھے۔ آج شکیل آ رہا تھا۔۔۔ اور اس کے آنے میں صرف چار گھنٹے رہ گئے تھے۔ سارے خاندان میں اس کے آنے کی خبر پھیل گئی تھی۔ کچھ رشتہ دار مارے حسد کے چلے جا رہے ہیں اور کچھ بے حد خوش اور مسرور تھے کہ ان کے خاندان کا ایک بچہ بھی اس لائق ہوا۔

خدا خدا کر کے تین بچے۔ صوفیہ بیگم نے ایرپورٹ جانے کی رٹ لگا رکھی تھی۔

"امی جان! ابھی تو کافی وقت ہے۔۔۔" عامر نے ہنس کر کہا۔

"تجھے کیا پتہ لڑکے، اگر ہم لوگ دیر سے پہنچے تو میرا بچہ اکیلا وہاں پریشان ہوگا۔۔۔ تم لوگ اب چلنے کی تیاری کرو میاں!"

صوفیہ بیگم جلد سے جلد بیٹے کو دیکھ لینا چاہتی تھیں۔ ان کی گھبراہٹ دیکھ کر آخر سب ایرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہلے سے کافی ہجوم تھا۔ سب نے صوفیہ بیگم کو مبارک دی۔

شازیہ، صوفیہ بیگم، رضوانہ اور عامر کے درمیان کھڑی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا دماغ عجیب و غریب خیالات کی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا کہ دور سے جہاز آتا دکھائی دیا اور عامر چیخ اٹھا۔

"بھابی دی گریٹ! بھائی جان کا آنا مبارک ہو!"

شازیہ نے شرما کر سر نیچا کر لیا۔۔۔ اور سب عامر کی بات پر ہنس دیے۔ اب جہاز نظر آ رہا تھا اور مارے اشتیاق سے سب کی نظریں اس پر بندے پر لگی ہوئی تھیں جو اپنے پروں میں ان کے پیاروں کو لیے چلا آ رہا تھا۔

آخر وہ رن وے پر دوڑنے لگا۔۔۔ اور ہزاروں آنکھیں بھی اس کے ساتھ ساتھ رقص کرنے لگیں۔ پھر جہاز ٹھہر گیا اور مسافروں کے اترنے کے لیے سیڑھی لگا دی گئی۔

مسافر ایک ایک کر کے اترنے لگے اور سب آنکھیں اترنے والوں کے چہروں پر لگ گئیں۔ دل دھک دھک کر رہے تھے۔ سارے مسافروں کے اتر جانے کے بعد پائلٹ بھی اتر آیا۔ لیکن شکیل کہیں نظر نہ آیا تو دل کسی انجانے خوف سے ڈوبنے لگے۔ صوفیہ بیگم نے گھبرا کر شازیہ کی طرف دیکھا اور ہکلا کر بولیں۔

"میرا شکیل نہیں اتر بیٹی؟"

"امی جان! شاید وہ اس جہاز سے نہ آ سکے ہوں۔۔۔" شازیہ نے آنکھیں چرا کر کہا۔

"ارے کوئی جا کر انکوائری سے پتا کرو۔۔۔ میرا بچہ اس جہاز سے آ رہا تھا۔" صوفیہ بیگم کے منہ سے بات بھی بمشکل نکل رہی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں خالہ جان۔۔۔ میں ابھی پتہ کر کے آتا ہوں۔"

حامد نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آخر حامد اور عامر انکوائری آفس کی طرف چل دیے۔

سیٹ پر ایک لڑکی بیٹھی فون کر رہی تھی۔ جب وہ فارغ ہوئی تو حامد نے پوچھا۔

مس۔ ہمارے ایک عزیز شکیل احمد اسی جہاز میں لندن سے آنے والے تھے لیکن وہ اس جہاز سے نہیں اترے۔ برائے مہربانی ذرا پتہ کر کے بتائیں۔۔۔ کہ وہ کیوں نہیں آئے؟"

لڑکی نے فائل کھولی، اور کچھ پڑھتے ہوئے سر اٹھا کر بولی۔

"سرجن شکیل احمد؟"

"جی ہاں۔۔۔ وہی۔" حامد نے جلدی سے کہا۔

"کراچی سے تقریباً ایک ہزار میل دور ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے

ان کو کراچی ایر پورٹ پر اتار لیا گیا تھا۔ اب وہ ہو اسپتال میں ہیں۔"

"کیا وہ بہت بیمار ہیں مس۔۔۔؟" عامر نے گھبرا کر لڑکی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ یہاں تو یہی اطلاع آئی ہے۔"

لمحہ بھر میں یہ الم ناک خبر سارے عزیزوں میں پھیل گئی۔ صوفیہ بیگم تو یہ خبر سنتے ہی دھڑام سے زمین پر گر گئیں۔ رضوانہ کی چیخیں نکل گئیں۔ اور شازیہ۔۔۔! اسے تو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔

اگر شکیل کو کچھ ہو گیا۔۔۔ تو کیا ہو گا۔۔۔ میں۔۔۔ بیوہ!

اس لفظ کے تصور ہی سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔"

وہ بڑی بڑی آنکھیں کھولے ایک ایک کامنہ تک رہی تھی اس کارنگ سرسوں کے پھول کی مانند سیلا پڑ گیا تھا۔ اور وہ بے حس و حرکت کھڑی کسی عظیم سنگ تراش کا دل ہلا دینے والا مجسمہ لگ رہی تھی۔ دوسری عورتوں نے بڑی مشکل سے ان تینوں کو سنبھالا۔۔۔ اور ہزاروں دقتوں سے ان کو گھر واپس لے آئیں۔ پل بھر میں فضا بدل گئی۔ ابھی ابھی جس گھر میں خوشی کے کھنکٹے ہوئے قہقہے سنائی دے رہے تھے وہاں اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھی زندہ انسان موجود نہیں۔

صوفیہ بیگم کو گھر پہنچتے ہی ہوش آچکا تھا اور وہ شازیہ کی حالت دیکھ کر بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔

"شازیہ میری بچی! یہ کیا ہو گیا۔ ہماری خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی بیٹی!"

حامد اور عامر شکیل کو دیکھنے کے لیے سات بجے کی فلائٹ سے کراچی روانہ ہو چکے تھے۔ وہ سب کو تسلی دے کر گئے تھے کہ نائٹ کوچ سے شکیل کو لے کر واپس آ جائیں گے۔ سو آٹھ بجے کے قریب دونوں ہسپتال پہنچ گئے۔۔۔ شکیل بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ ڈاکٹر نے ان کو بتایا کہ کوئی اندوہناک بات سوچنے سے ان کے دل و دماغ پر اچانک حملہ ہوا ہے جس سے دل اور دماغ مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب یہ ٹھیک تو ہو جائیں گے نا۔۔۔؟" عامر، بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"کیوں نہیں بیٹا۔۔۔ ہمیں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے وہ بڑا کارساز ہے۔۔۔ میں نے ابھی ابھی ان کے بے ہوشی کا انجکشن لگایا ہے۔ میرے خیال میں ان کا زیادہ دیر تک غافل رہنا بہتر ہے۔" معمر ڈاکٹر نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان کو لاہور لے جائیں اس میں مریض کے لیے خطرے کی کوئی بات تو نہیں ہوگی؟" حامد نے ڈاکٹر سے مشورہ لیا۔

"خطرے کی بات ہے بھی اور نہیں بھی۔ دماغی بخار ہے جو کسی وقت بھی خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ ویسے میرے خیال میں تو ان کو لاہور لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے عزیزوں کو دیکھ کر ان پر اچھا اثر پڑے۔۔۔ اور پھر ایک گھنٹے کی تو بات ہے۔ ابھی یہ تقریباً چار گھنٹے تک بے ہوش رہیں گے لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ ان کو گھر لے جانے کے بجائے سیدھے اسپتال لے کر جائیے گا۔۔۔ یہ مریض

کے لیے بہتر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ہوس میں آنے کے بعد ان پر پھر وہی دورہ پڑے۔۔۔" ڈاکٹر نے ان کو ساری بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی بہت بہتر۔۔۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔

آپ کو ایک تکلیف اور دیں گے کہ مہربانی سے اب ہمارے جانے کا بندوبست کروادیتے۔۔۔ ہمارا خیال ساڑھے بارہ بجے والے پلین میں جانے کا ہے۔"

"آپ کسی قسم کا فکر نہ شکیل صاحب ہمارے ملک کے ہونہار ڈاکٹر ہیں، ہمیں خود ان کی زندگی بہت عزیز ہے۔"

ڈیڑھ بجے کے قریب یہ لوگ لاہور ایر پورٹ پر اترے تو ہسپتال کی گاڑی پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ ہاتھوں ہاتھ شکیل کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ حامد ہیں شکیل کے پاس رک گیا اور عامر سب کو اطلاع دینے کے لیے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں سب کا برا حال تھا۔ کسی نے اب تک آنکھ نہ جھپکی تھی۔ شازیہ صوفیہ بیگم کے کندھے سے ٹیک لگائے خاموشی بیٹھی تھی۔ عامر پر نظر پڑتے ہی وہ چلا اٹھی۔

"عامر! شکیل کہاں ہیں۔۔۔ تم انہیں ساتھ کیوں نہیں لائے کہا وہ بہت بیمار ہیں؟" پھر وہ ایک دم کہہ گزری۔

"مجھے ان کے پاس لے چلو عامی۔ مجھے ان کے پاس لے چلو۔ وہ ٹھیک تو ہیں نا۔ مجھے سچ مچ بتادو عامر۔۔۔ میں۔۔۔ انہیں منالوں گی۔ میں انہیں منالوں گی عامر۔۔۔ وہ۔۔۔ کہیں نہیں جاسکتے۔ میں۔۔۔ میں ان کو نہیں نہ جانے دوں گی۔۔۔"

وہ پاگلوں کی طرح بولتی جا رہی تھی۔

"بھابی جان! خدا کے لیے حوصلے سے کام لیجیے۔۔۔ بھائی جان بالکل ٹھیک ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔۔۔" عامر نے بڑے حوصلے سے کہا۔

"مجھے ان کے پاس لے چلو عامی۔۔۔" شازیہ نے اتنی لجابت سے کہا کہ عامر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اپنے آپ کو سنبھالیے بھابی جان۔۔۔ آپ کو تو امی جان کو تسلی دینی چاہیے۔"

"وہ۔۔۔ وہ مجھ سے ناراض ہیں عامی۔۔۔ وہ مجھ سے ناراض ہیں۔۔۔ میں بہت بری ہوں۔۔۔ مجھے ان کے پاس لے چلو۔۔۔" شازیہ نے بری طرح چیختے ہوئے کہا۔

"چلیے۔"

صوفیہ بیگم، رضوانہ اور شازیہ لپک کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔۔۔ شکیل کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔۔۔ سفید چادر پر لپٹا وہ کوئی معصوم فرشتہ لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تقدس تھا کہ چند لمحے شازیہ اپنی نظریں نہ ہٹا سکی اور اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھے لگی۔

آج سے ایک سال پہلے شکیل کے کہے ہوئے الفاظ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسائے لگے۔

"میں ایک سال کے لیے انگلینڈ جا رہا ہوں شازی۔۔۔ آپ تو خوش ہوں گی۔۔۔ کہ چلو ایک سال کے لیے بلاٹلی۔۔۔ دعا کریں کہ وہ واپس نہ آسکوں۔۔۔ راستے میں ہی میرا خاتمہ

ہو جائے۔ اور۔۔۔ اور آپ اس ظاہر داری کے ظالم عذاب سے آسانی سے چھوٹ جائیں۔۔۔ دعا کریں شازی۔۔۔ دعا کریں۔۔۔ دعا کریں!"

"نہیں۔۔۔ نہیں!" وہ بے اختیار چیخ اٹھی۔

"میں نے تو ایسی کوئی دعا نہیں مانگی تھی۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر آپ کیوں بیمار ہو گئے شکیل۔۔۔ کیوں بیمار ہو گئے۔۔۔؟ وہ سسکا اٹھی۔

صوفیہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کے نازک جسم کو اپنی شفیق ہاتھوں میں لے لیا۔ اور بڑے پیار سے آنسو ضبط کرتے ہیں۔

"حوصلہ کرو بیٹی۔۔۔ نہ رو چاند۔۔۔ تمہارے رونے سے مجھے انتہائی تکلیف ہوتی ہے!"

"میں۔۔۔ میں بہت بری ہوں امی جان۔۔۔ بہت۔۔۔ بری۔۔۔" شازیہ نے ہچکیں لیتے ہوئے کہا۔

پھر ڈاکٹر کے کہنے پر سب لوگ گھر واپس آ گئے، صرف شازیہ اور حامد شکیل کے پاس رہ گئے۔

صبح کے اجالے نے رات کی تاریکی کو نگل لیا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔ ہسپتال میں ایک بڑی پر اسرار سی خاموشی کا راج تھا۔۔۔ صبح کوئی چار بجے کے قریب شکیل نے آنکھیں کھولیں۔۔۔ لیٹے لیٹے ہی سارے کمرے کا جائزہ لیا اور یہ سوچ کیا حیران رہ گیا وہ

ہسپتال کیسے آگیا۔ دماغ پر کچھ زور دینے سے اس کو یاد آیا کہ میں تو جہاز میں سفر کر رہا تھا!

"پھر یہ ہسپتال۔۔۔؟"

"اوہو۔۔۔ ٹھیک ہے میری طبیعت خراب ہو گئی تھی، بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا ہو گیا تھا!"

کافی دیر سوچنے کے بعد اس کو ساری بات یاد آ گئی۔ کہ بیٹے بیٹھے ایک اس کا خیال شازیہ کی طرف چلا گیا تھا جس کو دیکھے آج پورا ایک سال ہو گیا تھا اور اتنے دنوں بعد اسے دیکھنے والا تھا۔ اس کا دل حسرت سے اچھلنے لگا تھا۔۔۔ اور ایک دم دماغ نے ایک قہقہہ لگایا۔

"معلوم نہیں وہ گھر میں ہے یا اپنے گھر چلی گئی؟"

"مجھے اتنا خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیا پتا اب اسے دیکھ بھی سکوں یا نہ دیکھ سکوں۔۔۔ کیا وہ اب بھی ویسی ہی پتھر دل ہوگی۔۔۔ اگر وہ چلی گئی۔۔۔ تو میں اس کے بغیر کس طرح جیوں گا۔ اس روز روز کے مرنے سے تو بہتر ہے کہ انسان کو ایک دفعہ ہی موت آ جائے۔۔۔ میں اس کو کبھی نہ بھلا سکوں گا۔۔۔ اس رنگ و بو کی دنیا میں بھی اس کو ایک منٹ بھی فراموش نہیں کر سکا۔ لیکن وہ تو مجھ سے نفرت کرتی ہے بے انتہا نفرت!"

"کہیں اس کے خیال میں کوئی اور تو نہیں بسا ہے۔۔۔؟" دل نے چپکے سے سرگوشی کی!

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہو!"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ وہ میری ہے۔۔۔ میں اس۔۔۔ اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔۔۔ میں اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔۔۔" اس کے بغیر۔

اس کے دماغ میں شعلے سے لپکنے لگے۔۔۔ مگر سوچتا رہا۔۔۔

سوچیں بھی بڑی قیامت خیز ہوتیں ہیں۔ وہ طوفان سے ٹکرا بھی جاتی ہیں۔۔۔ شکیل کے دماغ میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جہاز ڈول رہا ہے اور وہ ڈوب رہا ہے۔

نیچے ہی نیچے۔۔۔ بھکے بھکے خیالات نے اس کی پریشانی جنون کی حدوں تک پہنچا دی۔

دل اور دماغ اس پریشانی اور بے قراری کے عمیق سمندر میں ڈوب گئے اور وہ بے حس و حرکت اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔

پھر اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور لوگوں نے اتار کر اسے ہسپتال پہنچا دیا۔

وہ سوچنے لگا۔ "گھر والے وقت پر نہ پہنچنے سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔۔۔ کیا پتا، شازی بھی پریشان ہو!"

تھکے ہوئے دل و دماغ میں پھر وہی الجھن اور کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ طوفان ایک بات پھر اٹھ رہا تھا۔ زلزلے کے جھٹکے پھر محسوس ہو رہے تھے۔

اس کا سر کچھ اس طرح چکرانے لگا کہ دل و دماغ برداشت نہ کر سکے۔ اور ہوش میں آتے وہ ایک بار پھر بے ہوشی کے عمیق سمندر میں ڈوب گیا۔ چیخ کی آواز پر ڈیوٹی نرس اور حامد و شازیہ چونک کر اندر کی طرف بھاگے۔

نرس نے جلدی سے ڈاکٹر کو فون کیا۔ دو منٹ میں ڈاکٹر پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی بغور معائنہ کیا اور گھبرا کر بولا۔

"نرس پلیز۔ ذرا سرجن وحید کو بلا لیں۔ مریض کی حالت تشویشناک ہے۔"
"جی بہتر!" نرس نے جلدی سے سرجن وحید کو فون کیا۔

"آپ لوگ مہربانی کر کے باہر تشریف لے جائیں۔" ڈاکٹر نے بڑی نرمی سے شازیہ اور حامد سے کہا اور وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔ اندر سے باتیں کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔۔۔ سرجن وحید نے آکر معائنہ کیا اور بڑی مایوسی سے بولا۔

"دماغ کا پریشر بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو دماغ کی نس پھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ اب ان کو دو اسے زیادہ دعا کی ضرورت ہے۔ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے آگے جو اللہ کو منظور ہوگا۔۔۔ اگر آج کی رات خیریت سے گزر گئی تو مریض کی زندگی کی امید کی جاسکتی ہے۔ آپ مریض کے عزیزوں سے کہہ دیں۔"

باہر کھڑی شازیہ نے ساری باتیں سنیں اور اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کا دماغ گھوم رہا ہے۔ وہ گھبرا کر اندر داخل ہوئی لیکن شکیل پر نظر پڑتے ہی سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تو شکیل کی مجرم ہے۔۔۔ تو نے اس کی جان لی ہے!" اس کا ضمیر ملامت کرنے لگا اور وہ چیخ اٹھی۔

"ڈاکٹر! ان کو بچالیں ڈاکٹر۔۔۔ خدا کے لیے ان کو بچالیں۔"

"گھبراؤ مت میری بچی۔۔۔" معمر ڈاکٹر نے بڑی شفقت سے کہا۔ "خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ بڑا کارساز ہے، ویسے آپ ان کے عزیزوں کو بلا لیں۔۔۔"

تھوڑی دیر بعد صوفیہ بیگم اور رضوانہ آ گئیں۔۔۔

ساری بات سن کر وہ تڑپ اٹھیں اور گڑگڑا کر خدا سے شکیل کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگیں۔

شازیہ کا دماغ عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔

اگر شکیل کو کچھ ہو گیا تو اس گھر میں میری کیا عزت رہ جائے گی۔ لوگ مجھے منحوس اور نہ جانے کیا کیا کہیں گے۔۔۔ یہ پیار کرنے والے لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔۔۔
"نفرت۔۔۔ شدید نفرت!"

"نفرت کتنا ظالم لفظ ہے!" اس نے خوف سے آنکھیں بند کر کے ایک جھرجھری سی لی۔۔۔ پھر سجدے میں گر کر تڑپنے لگی۔ آنکھوں کے سوتے اس بارگاہ عالی میں ابل پڑے۔

وہ سجدے میں سر رکھے بڑی عقیدت اور خلوص سے شکیل کی صحت یابی کے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ آنسوؤں کا سیلاب تھمنے میں نہ آتا تھا۔ اور وہ اس ذات بابرکات کے حضور اپنے دل کا سارا درد اور جلن آنسوؤں کے ذریعے پیش کر رہی تھی۔

"وہ جیسا بھی ہے میری مانگ کا سندور ہے، اس کو قائم رکھ میرے مولا میرا سہاگ
اجڑنے سے بچالے میرے مالک!"

آج اس کو اپنی ساری زیادتیاں یاد آ رہیں تھیں جن کے بدلے شکیل نے اسے خوش رکھنے
کے لیے ایک لمحہ بھی توقف نہیں کیا تھا۔

"میری عام ضروریات آرائش سے لے کر کپڑوں تک ہر چیز کا وہ کتنا خیال رکھتے تھے۔

ان سب باتوں کے عوض میں نے انہیں کیا دیا۔۔۔! دماغ نے بغاوت کی۔

ایک درد۔۔۔ شدید نفرت۔۔۔ ایک کسک۔۔۔ اور ایک انجانا سادکھ!

"تو نے اس کو کتنے دکھ دیے ہیں لیکن وہ ہمیشہ تیری مسکراہٹ کا خواہش مند رہا۔۔۔!"

"میرے مالک مجھے صرف ایک موقع دے دے، میں تا قیامت تیری احسان مند رہوں
گی۔ میں تجھ سے تیری رحمت کی بھیک مانگتی ہوں اپنی رحمت کے صدقے شکیل کو زندگی
عطا فرمادے!"

شازیہ ماہی بے آپ کی طرح تڑپ رہی تھی اور ظالم اور سیارہ رات رینگ رینگ کر گزر
رہی تھی۔ ساری رات بجلی کڑکتی رہی۔ اور بجلی کی ہر کڑک شازیہ کے دل پر تازیانے کی
صورت وار کرتی رہی۔۔۔ کبھی وہ دیوانہ وار شکیل کو تکتے لگتی جو اس کی بے قراری اور
تڑپ سے بے خبر پڑا ہوا تھا۔۔۔ اور کبھی ندامت اور پشیمانی کے عمیق سمندر میں غرق ہو
جاتی۔

ساری رات سب نے آنکھوں میں کاٹ دی۔۔۔ اور شازیہ تو رات بھر خیالات کے جہنم
میں سلگتی رہی اور گڑگڑا کر شکیل کی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی۔ صوفیہ بیگم اور رضوانہ کا
بھی برا حال تھا۔

صوفیہ بیگم نے تو ساری رات اپنے معبود کے حضور سر جھکائے رکھا تھا۔

آخر خدا نے ان کی سن لی۔۔۔ ارپورے چوبیس گھنٹوں کے بعد شکیل نے آنکھیں کھول
دیں۔

پہلی آواز جو اس کے دلکش ہونٹوں سے نکلی وہ تھی۔

"ش۔۔۔ آ۔۔۔ ز۔۔۔ ی۔۔۔ ت۔۔۔ تم۔۔۔ نے۔۔۔ مجھے۔۔۔ مار۔۔۔ ڈ۔۔۔ ا۔۔۔
لا!۔۔۔"

اپنا نام سن کر شازیہ نے ندامت سے آنکھیں جھکا لیں۔

"شا۔۔۔ آ۔۔۔ زی!"

شکیل کے ہونٹ کانپے۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" سرہانے بیٹھے ہوئے ڈاکٹر کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ حامد کی طرف دیکھ
کر بولا۔

"شازی کون ہیں۔۔۔ اور ان کی کیا لگتی ہیں؟"

"یہ شازی ہیں!" حامد نے شازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکیل صاحب کی بیوی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ شکیل صاحب کو اپنی بیگم سے بڑی محبت ہے جو بے ہوشی میں بھی ان کو پکار رہے ہیں۔" پھر انہوں نے شازیہ سے قریب آنے کے لیے کہا۔۔۔ وہ اٹھ کر قریب گئی تو کہا۔

"آپ ان سے بات کرنے کی کوشش کریں۔۔۔" اور ڈاکٹر باہر چلا گیا۔
شازیہ جھجک کر آگے بڑھی اور شکیل کے بالکل قریب کر سی پر بیٹھ کر بولی۔
"میں۔۔۔ میں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ش۔۔۔ شکیل!"

شازیہ نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ شکیل نے شازیہ کے ہاتھوں کے لمس سے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔۔۔ ایک نظر اسے دیکھا۔۔۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔
سیاہ گہری گہری آنکھوں میں حسرت کی گہلی گہلی کیفیت میں کچھ ایسا جادو تھا۔۔۔ کہ شازیہ اسے مبہوت ہو کر دیکھتی رہ گئی۔۔۔ وہ حسرت بھری کالی آنکھیں!
دو گہری گہری آنکھوں نے اس کے دل و دماغ میں ایک ہل چل مچادی تھی۔
اس رات سوتے جاگے اس نے کئی بار ان آنکھوں کو دیکھا۔ اور گھبرا گھبرا اٹھی۔
ہمدردی کا جذبہ کچھ اور رنگ اختیار کرنے لگا تھا۔

وہ کالی کالی اور گہری گہری حسرت بھری آنکھوں نے اس کے دل و دماغ میں ایک طوفان سا برپا کر دیا تھا۔۔۔ اور وہ نڈھال سی شکیل کے سرہانے بیٹھی آنکھیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھے جارہی تھی۔ اس کا دل چوری چوری شکیل کی تصویر میں رنگ بھرتا جا رہا تھا۔۔۔
حسین اور دلکش رنگ۔۔۔ پکے اور خوشنما رنگ!

شکیل کی بیماری کے دن کس طرح گزرے؟ اس کا اندازہ تو وہی لگا سکتا ہے جس کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ گزرا ہو۔ صوفیہ بیگم کو کوئی پہلی نظر میں پہچان نہ سکتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہوں۔ جو ان اولاد کی بیماری نے ان کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر اولاد بھی شکیل جیسی فرمانبردار جس نے ماں کے آگے کبھی اونچی آواز سے بات بھی نہیں کی تھی اور جو ماں کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ ماں کو بھی اس سے شدید پیار اور والہانہ محبت تھی اور اسی پیار نے صوفیہ بیگم کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

عامر اور رضوانہ جو کسی وقت بھی چین سے نہ بیٹھتے تھے شکیل کی بیماری کے دنوں میں ان کے ہونٹ تو جیسے سل کر رہ گئے تھے۔ دونوں بڑی باقاعدگی سے نماز پڑھتے اور عزیز بھائی کی صحت یابی کے لیے دعائیں مانگتے رہتے۔

آخر خدا نے ان کی فریاد سن لی اور شکیل صحت یاب ہونے لگا۔

شازیہ روزانہ اس کی خبر لینے کے لیے ہسپتال آتی اور اس کا چارٹ وغیرہ دیکھ کر جاتی۔
اس کے آنے سے شکیل کو بڑی مسرت ہوتی تھی۔

پندرہ دن بعد شکیل کے کہنے پر ڈاکٹر نے اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اس پندرہ دن کی بیماری نے اس کو بے حد کمزور کر دیا تھا۔

پہلے دن جب وہ گھر آیا تو بے حد اداس تھا۔ سارا دن چپ چاپ لیٹا رہا۔

صوفیہ بیگم کا خوشی سے پاؤں زمین پر نہ لگ رہا تھا۔ جوان اور لائق بیٹے کا بیچ جانا اس کے لیے قارون کے خزانے سے کم نہ تھا۔

شازیہ اب بالکل بدل گئی تھی۔ اب وہ شکیل کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ ٹھیک وقت پر دوا اسے اپنے ہاتھ سے پلاتی۔ اور صوفیہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود اس کے لیے پرہیزی کھانا خود تیار کرتی۔ لیکن جب وہ کمرے میں تنہا شکیل کے پاس ہوتی تو اس کا دل گھبرانے لگتا اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے کمرے میں بھاگ آتی تھی۔

شکیل شازیہ کے اس رویہ پر بہت حیران ہوتا۔۔۔ پہلے کچھ دن تو وہ اس کی اس تبدیلی پر کافی سوچتا رہا لیکن اب کوئی بات نہ سوچتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

اس کو پکا یقین تھا کہ شازیہ کا یہ سلوک صرف اس کی بیماری کی وجہ سے ہے، یہ خوش کن اور دلفریب توجہ چند دنوں کے لیے ہے کچھ دن بعد پھر وہی ہم ہوں گے اور وہی غم میں ڈوبے ہوئے شام و سحر۔۔۔!

شازیہ کو دیکھ کر وہ آنکھیں بند کر لیتا اور آنکھیں بند کیے ہی خیالوں کے عمیق سمندر میں غرق ہو جاتا۔

"کاش! شازیہ کا رویہ ہمیشہ ہی ایسا رہتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ مجھ پر رحم کھاتی ہے، رحم کی بھیک دیتی ہے!"

"کاش مجھے اس کا پیار مل جائے۔۔۔ کیا کبھی ایسا ہو سکے گا۔۔۔ کیا شازیہ کا دل کبھی میرے لیے دھڑک سکے گا؟"

"سب لوگ کہتے ہیں کہ میری بیماری کے دنوں میں وہ بہت پریشان رہی ہے۔۔۔ کاش یہ سچ ہوتا!"

ایک دن شکیل اپنی سوچوں کے سمندر میں اس قدر غرق تھا کہ اس کو شازیہ کے اندر داخل ہونے کی بھی خبر نہ ہوئی وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کی مسہری کے سرہانے آکر کھڑی ہو گئی۔

شکیل آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ شازیہ نے غور سے سنا۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"تمہارے تصور نے مجھے اس حالت تک پہنچا دیا ہے شازی! تم کتنی ہی ظالم بنی رہو۔۔۔ لیکن میرے دل سے کبھی نہیں نکل سکتیں۔۔۔ میری آنکھوں اور دل سے تمہاری تصویر کوئی نہیں مٹا سکتا تمہاری آرزو میرا ایمان ہے شازی۔۔۔ اور اس میں میری زندگی ہے!"

خیال کے تسلسل میں اس نے کہا۔

"یہ کوئی پانی کا بلبہ تو نہیں ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائے گا۔ محبت کا رشتہ تو بڑا پاک اور مقدس ہوتا ہے جب ہی تو یہ ہر کسی کے ساتھ جوڑا نہیں جاسکتا۔۔۔ اگر میں اس بیماری میں مر جاتا تو۔۔۔ میری روح ہمیشہ تمہارے لیے بے قرار اور بے چین رہتی۔

اچھا اگر اس دنیا میں تم میری نہ ہو سکیں (اس کی آواز بھرا کر کچھ اور مدھم ہو گئی) تو۔۔۔
اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر تمہیں مانگ لوں گا۔"

"تم کیا جانوں شازی۔۔۔! کہ تم میرے لیے کیا ہو!"

"دوسرے کے لیے تم پھولوں پر گرنے والی وہ مقدس اور ٹھنڈی شبنم ہو جو سکون اور پیار کا
ابدی پیغام بن کر آتی ہے لیکن میرے لیے تم ایک ایسی آگ بنی ہو، جو نہ تو پوری طرح
جلتی ہے اور نہ ہی بجھتی ہے تمہاری یہ بے رخی!"

وہ سوچتا رہا۔

"مجھے ماڑ ڈالے گی شازی۔۔۔ مار ڈالے گی۔۔۔ کاش تم میرے لیے ہوتیں۔۔۔
کاش!"

شازیہ سانس روکے سب کچھ سنتی رہی۔ آخر اس کا دل مسلنے لگا۔

"شکیل کی باتوں میں حقیقت ہے۔۔۔ وہ تجھ سے سچا پیار کرتا ہے۔ غلطی انسان ہی سے
ہو جاتی ہے۔۔۔ تجھ کو اتنا سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔

انگلینڈ جیسے ملک میں رہ کر بھی وہ تجھ کو نہیں بھول سکا۔

اس کے دماغ میں ہر وقت تیری ہی سوچ رہتی ہے۔" اس نے ذرا سا آگے جھک کر شکیل کا
چہرہ دیکھا۔ تو وہ آنکھیں بند کیے کیے بچوں کی طرح مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی ہی
روشن اور دلکش مسکراہٹ تھی۔ وہ دبے پاؤں پیچھے ہٹ گئی۔

پھر دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھے نہایت آہستگی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

باہر آ کر اس نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔۔۔ لیکن دل تھا کہ قابو ہی میں نہیں آ رہا تھا۔
ہر لمحہ اس کی دھک دھک بڑھتی جا رہی تھی۔

دل۔۔۔۔۔ جس کو خوشیوں کی بارات مل گئی تھی۔

دل۔۔۔۔۔ جس نے آج ایک نئے انداز سے دھڑکنا سیکھا تھا۔

دل۔۔۔۔۔ جس میں کوئی چپکے سے سما گیا تھا۔

دل۔۔۔۔۔ جو آج کسی کے پیار میں دھڑکنے لگا تھا۔

دل۔۔۔۔۔ جس نے کسی کی ہر خطا معاف کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

دل۔۔۔۔۔ جو آج پیار کے جذبے سے آشنا ہوا تھا!

دل۔۔۔۔۔ جو کبھی کسی کے لیے بے قرار نہ ہوا تھا۔۔۔

لیکن آج اتنا بے قرار اور مضطرب تھا کہ شازیہ گھبرا گھبرا کر اس پر ہاتھ رکھ رہی تھی اور
سہمی سہمی بیٹھی تھی کہ کہیں یہ بے قرار اور بے چین دل دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر
نہ نکل آئے۔

وہ اپنی ان ہی سوچوں میں غرق تھی کہ رضوانہ کی آواز سنائی دی۔

"بھابی جان! کس دنیا میں ہیں جناب۔۔۔" اس نے ہنس کر شازیہ کی آنکھوں کے آگے
ہاتھ لہرا کر کہا۔

"اوہ۔۔۔ کیا بات ہے رضوانہ۔۔۔؟" شازیہ نے اپنے خیالات سے چونک کر کہا۔

"میں پانچ منٹ سے یہاں کھڑی آپ کو دیکھ رہی ہوں لیکن آپ تو نہ جانے کون سی دنیا میں کھوئی ہوئی تھیں کہ ہم جیسے معمولی انسانوں کی آمد کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ کھڑے کھڑے جب ٹانگیں تھک گئیں تو مجبوراً آپ کو خیالات کی حسین وادی سے واپس لانے کے لیے آواز دینی پڑی۔ معافی چاہتی ہوں حضور!"

شازیہ نے رضوانہ کی طرف دیکھا۔۔۔ اور کھلکھلا کر ہنس پڑی!

"خیر ہے یہ آج بول کیوں کھل رہے ہیں۔ اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میری بھابی کو ہنسایا۔" رضوانہ نے شرارت سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چل شریری کہیں کی۔۔۔ ویسے رضوانہ ڈیر میں بہت حسین اور رنگین خواب دیکھ رہی تھی۔ بہت اچھا خواب تھا رضو۔۔۔"

شازیہ کے چہرے پر بڑی ہی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"معاف کر دیجیے بھابی جان۔۔۔ دیکھیے ہم جیسے عقل کے اندھوں کو کیا خبر کہ ہماری بھابی جان جاگتے میں خواب دیکھ رہی ہیں۔۔۔ سچ اگر پتا ہوتا تو کبھی آپ کو ڈسٹرب نہ کرتی اور دیکھیے اب پھر سے کوئی خواب دیکھنا شروع نہ کر دیجیے گا۔۔۔ آپ کو امی جان بلا رہی ہیں!" رضوانہ نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلو بھئی۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟" شازیہ نے رضوانہ کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

صوفیہ بیگم ابھی ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں اور دعا مانگ رہی تھیں کہ دونوں جا کر ان کے قریب بیٹھ گئیں۔ دعا سے فارغ ہو کر انہوں نے شازیہ اور رضوانہ پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ میری بچیوں کے نصیب نیک کرے!"

"آمین۔"

"آپ نے یاد فرمایا ہے امی جان۔۔۔!" شازیہ نے پوچھا۔

"ہاں بیٹی ذرا شکیل کی بات سنو۔ رمضان دلیہ لے کر اس کے پاس گیا تھا لیکن اس نے واپس کر دیا۔ کہتا ہے کہ میں اب یہ پھیکے اور بدمزہ کھانے نہیں کھاؤں گا۔۔۔ میں اب بالکل تندرست ہوں۔ سالن اور چاول لاؤ۔" پھر ہنستے ہوئے شازیہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"تم اس کو جا کر سمجھاؤ کہ ابھی کچھ دن اور پرہیز کر لے۔ کمزور ابھی بہت ہے، تندرست ہو جائے گا تو خیر سے جو اس کا دل چاہے گا کھائے گا۔"

"جی بہتر امی۔۔۔! میں خود لے کر جاتی ہوں، ہو سکتا ہے کہ کھالیں۔" شازیہ نے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

وہاں جا کر اس نے ایک پیالی میں یخنی ڈالی اور دوسری پلیٹ میں دلیہ لے کر شکیل کے کمرے کی طرف چل دی۔

آج اس کو شکیل کے سامنے جاتے بڑی شرم آرہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور کانپتے ہاتھوں میں ٹرے کو مضبوطی سے پکڑ کر اندر داخل ہو گئی۔ سامنے کے پلنگ پر شکیل نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

آہٹ پر اس نے نظریں اٹھائیں تو شازیہ کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ جلدی سے بولا۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی شازی۔۔۔ رمضان کو بھیج دیا ہوتا۔"

"تاکہ آپ اس کو دوبارہ واپس بھیج دیتے۔" شازیہ نے آنکھیں نیچی کیے جواب دیا۔ "جی بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے آپ نے۔۔۔ دیکھیے اب کوئی کتنی دیر تک یہ بے رنگ اور بدمرہ چیزیں کھاتا رہے میں تو تنگ آ گیا ہوں ان سے۔۔۔" شکیل نے ہنس کر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شازیہ نے دلیہ کی پلیٹ اٹھائی اور شکیل کے آگے کر دی!

"کیا اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں مل سکتی؟"

"جی نہیں!"

شازیہ کے ہونٹوں پر ایک ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔

شکیل نے اس کی طرف دیکھا۔۔۔ اور خاموشی سے پلیٹ پکڑ لی۔

"کھانا شروع کیجیے!"

شازیہ نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب مہربانی کر کے اپنا آرڈر ذرا نرم کیجیے۔۔۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ ہمیں بغاوت کرنی پڑے گی۔" شکیل نے برا سا منہ بنا کر دلیہ کھاتے ہوئے کہا۔

دلیہ ختم کر کے اس نے پلیٹ میز پر رکھ دی اور آنکھیں بند کر کے لیٹتے ہوئے بولا۔

"دیکھیے اب مجھے سخت نیند آرہی ہے، میں اور کچھ نہ کھاؤں گا۔۔۔" اس نے بے رنگ یخنی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ضرور سو جائیں لیکن پہلے یہ یخنی پی لیں۔ کہتے ہیں کہ اس کو پینے سے بہت گہری نیند آتی ہے۔۔۔" شازیہ نے یخنی کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ بھی پینی پڑے گی۔"

اس نے بچوں کی طرح پوچھا۔

"جی ہاں!"

شکیل نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پیالی تھامتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"آپ کے ہاتھوں سے تو زہر بھی پینا بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ تو پھر یخنی ہے۔"

شازیہ نے ایک لمحہ کے لیے اس کی طرف دیکھا۔۔۔ کالی گہری گہری روشن آنکھیں اسے

گھور رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں اور گھبرا کر کمرے سے باہر نکل

آئی۔

اس کے جانے کے بعد شکیل کافی دیر تک ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہا اور شازیہ کے بدلے

ہوئے رویے کے بارے میں سوچتا رہا۔۔۔

شکیل پوری طرح صحت یاب ہو گیا تھا۔

صوفیہ بیگم اور گھر کے سب لوگ بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ عامر بھاگ بھاگ کر ہر کام میں حصہ لے رہا تھا۔

آج شکیل کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں صوفیہ بیگم نے بڑے وسیع پیمانے پر نیاز کرائی تھی۔ انہوں نے اپنے سب عزیزوں کو اس خوشی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ اور بعض دوست احباب آنے والے تھے۔ رضوانہ اور شازیہ اپنے سامنے سارا انتظام کروا رہی تھیں۔ شکیل ان سب کو اتنا خوش اور انتظام میں مگن دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس گھر میں ابھی واقعی میری ضرورت ہے۔ صوفیہ بیگم کے چہرے پر آ بہت دنوں بعد اس نے رونق اور طمانیت بھری مسکراہٹ دیکھی تھی۔ ماں کو خوش اور مسرور دیکھ کر اس کا بھی رواں رواں خوشی سے سرشار ہو رہا تھا۔ ماں کی پسند پر اس نے فاؤن کلر ٹیڑون کا سوٹ پہنا تھا۔ چار بجے کے قریب وہ تیار ہو کر صوفیہ بیگم کے کمرے میں آیا تو سامنے ہی رضوانہ کسی کے جوڑے میں گلاب کے سرخ سرخ پھول سجا رہی تھی۔

"یہ کس کو سجایا جا رہا ہے۔۔۔؟" شکیل نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی بگیم کے علاوہ ہم کس کو سجا سکتے ہیں!" رضوانہ نے آگے سے ہٹتے ہوئے کہا۔

شکیل نے دیکھا اور کچھ دیر کے لیے دیکھتا ہی رہ گیا۔

شازیہ نے آج سرخ بنارسی ساڑھی پہنی تھی جس نے اس کے معصوم حسن میں ایک آگ سی لگادی تھی اور اس کا گلابی چہرہ یوں چمک رہا تھا جیسے گلاب کے جھرمٹ میں موتیے کی کوئی ادھ کھلی حسین سی کلی۔

شکیل نے بڑی پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رضوانہ آج لوگوں کے بڑے ٹھاٹھ ہیں بھئی۔ ہمیں تو آج کوئی لفٹ نہ دے گا۔"

"دیکھیے بھائی جان۔۔۔ اب آپ ہماری بھابی کو نظر نہ لگا دیجیے گا۔ جب سے آئے ہیں ایک ٹک دیکھے جا رہے ہیں۔ مہربانی کر کے اب آنکھیں نیچی کر لیجیے۔۔۔" رضوانہ نے ہنس کر بھائی کی آنکھوں کو ہاتھ سے بند کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیے محترمہ۔ ہم یہاں سے چلے ہی جاتے ہیں۔ نہ ہم دیکھیں گے اور نہ نظر لگے گی۔" شکیل نے ہنستے ہوئے رضوانہ کی طرف دیکھ کر باہر جاتے ہوئے کہا۔

شکیل نے آج اپنے سب دوستوں اور سٹاف ممبرز کو بھی مدعو کیا تھا۔۔۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ شازیہ اور شکیل گیٹ پر کھڑے مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ حامد اور روبی کو ٹیکسی سے اترتے دیکھ کر وہ پھول کی طرح کھل اٹھی اور خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔

"اوہو۔۔۔ روبی آنٹی بھی ساتھ ہیں۔"

اتنے میں وہ دونوں قریب آگئے۔ شازیہ روبی سے لپٹ گئی۔

"کتنے بے مروت ہیں آج کل کے لوگ۔۔۔ نہ سلام نہ دعا۔۔۔ یہ اچھی عادت سیکھی ہے تم نے شازی۔۔۔ ویسے میری ایک بات غور سے سنو اور ہمیشہ یاد رکھنا کہ بزرگوں اور عقل مندوں نے کہا ہے کہ نئے نودن اور پرانے سودن۔۔۔" حامد نے ہنس کر روبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آداب انکل۔۔۔ آپ تو ذرا اسی بات پر طعن دینے لگتے ہیں، ہمیں بھی آپ کی یہ عادت پسند نہیں۔۔۔" شازیہ نے بدلہ اتارتے ہوئے کہا۔

"یہاں تو ایک محاذ قائم ہو گیا شکیل بھائی۔۔۔ آئیے ہم لوگ چلتے ہیں۔۔۔ سنائیے اب آپ کا کیا حال ہے؟ مجھے تو آپ کی صحتیابی کی بے انتہا خوشی ہوئی۔ اللہ ہمیشہ آپ کو تندرست رکھے۔" روبی نے بڑے خلوص سے کہا۔

"آمین۔۔۔!"

"آپ کا بہت بہت شکریہ بھابی جان!"

پھر شازیہ کو قریب آتے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"لوگوں نے تو جان لینے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی، سخت جان ہوں جو بچ گیا۔۔۔ لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی ہوگی!"

شازیہ نے بڑی شاکی نظروں سے شکیل کی طرف دیکھا اور ایک دبی دبی سی ٹھنڈی سانس اس کے منہ سے نکل گئی۔۔۔ پھر وہ روبی کی طرف مڑ کر بولی۔

"چلیے آئی اندر چلتے ہیں یہاں تو شاعری شروع ہو گئی۔" شازیہ نے روبی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"آج ایک نیا خطاب ملا ہے، بہر حال آپ کا بہت بہت شکریہ۔" شکیل نے شازیہ کے ساتھ قدم ملا کر چلتے ہوئے کہا۔

سب مہمان آچکے تھے۔ ہر طرف رنگ رنگے آنچل اور ساڑھیاں لہرا رہی تھیں۔۔۔ صوفیہ بیگم آج بے انتہا خوش تھیں۔۔۔ انہوں نے سب سے پہلے مسجد میں کھانا بھجوا دیا۔۔۔ نماز شکر ادا کی۔ پھر سب سے کھانے کے لیے دوسرے کمرے میں جانے کے لیے کہا۔ کھانا بہت مزیدار تھا۔ سب نے مزے لے لے کر کھایا۔ کھانے کے بعد کافی کا دور چلا اور سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ چاند کی ہلکی ہلکی روشنی سارے شامیانے میں پھیلی ہوئی تھی۔

اور دودھیا چاندنی میں نہائی ہوئی نکھری نکھری سی فضا بڑی رومان پرور لگ رہی تھی۔ شازیہ، روبی اور رضوانہ اس کی سہیلیاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

"شازی اس وقت تو کوئی گانا سنا دے تو واللہ لطف ہی آ جائے۔" روبی نے شازیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے محترمہ۔۔۔" پھر اس نے روبی کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"روبی آنٹی شکیل بہت اچھا گاتے ہیں آپ ان سے کہیے۔۔۔ لیکن میرا نام نہ لیجیے گا!"

"یار شکیل! تیری بیوی بڑی تیز ہے۔ ہر بات کا ٹر سے جواب دیتی ہے۔۔۔" پھر ہنس کر شازیہ کی طرف دیکھا۔

"نصیب اپنا اپنا۔۔ حامد بھائی مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔" شکیل بڑی خوبصورتی سے طنز کرتے ہوئے بولا۔

"خوب، بہت خوب۔ یار تم دونوں ہی آفت کے پرکالے ہو!"

"ساڑھے بار بج رہے ہیں جناب اب اٹھ جائیے باقی باتیں صبح کر لیجیے گا۔"

آخر سب اٹھ کر کھڑے ہوئے۔۔۔ دونوں کو کمرے میں پہنچا کر

شازیہ جب لوٹ کر اپنے کمرے میں آئی تو شکیل دیوان پر لیٹا گنگنا رہا تھا۔

دل مہائی بے آب ہے معلوم نہیں کیوں
دل مہائی بے آپ ہے معلوم نہیں کیوں
معلوم نہیں کیوں

وہ بار بار یہی فقرہ دہرائے جا رہا تھا۔

شازیہ نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بے دم سی اپنے پلنگ پر گر گئی۔

رات گناہ گار کے دل کی طرح تاریک اور سیاہ تھی۔ بادل اندھیرے کے ظلم سے خوف زدہ ہو کر مہائی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ہوا اور بارش کا زور لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا

"یہی تو آپ کو معلوم نہیں محترمہ! یہاں تو دوسرا ہی عالم ہے۔ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔"

شکیل نے شرارت بھری آنکھوں سے شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے چوٹ کی!
شازیہ نے بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے۔ شازیہ نے روبی اور حامد کو زبردستی ایک دن کے لیے روک لیا تھا۔ چاروں رات گئے تک تاش کھیلتے رہے۔ شازیہ کی آنکھیں نیند اور تھکن سے بو جھل ہو کر بڑی نشلی ہو گئی تھیں۔ وہ جب بھی پتا پھینکتے وقت شکیل کی طرف دیکھتی تو گھبرا جاتی کیونکہ وہ اسی کی طرف بڑے والہانہ انداز میں دیکھ رہا ہوتا۔

بارہ بجے کے قریب روبی اور شازیہ نے پتے پھینک دیے اور شازیہ صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"بس بھئی اب ہم سے نہیں کھلا جاتا۔۔۔ ہمیں تو بڑی نیند آرہی ہے۔۔۔ چلیے میں آپ لوگوں کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔۔۔" شازیہ نے جمائی لیتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔

"دشمن بھاگ گیا!" حامد نے ہنس کر کہا۔

"بھارتی معلوم ہوتا ہے۔۔۔" شکیل نے چوٹ کی۔

"خبردار جو ہمیں بھارتی کہا۔۔ آپ خود ہوں گے بھارتی۔۔" شازیہ نے اپنی نشیلی آنکھوں کو ملتے ہوئے کہا۔

تھا۔ پانی کے گرنے کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ آندھی کا انداز مجنونا نہ تھا۔ آتش دان روشن ہونے کے باوجود کمرے ٹھنڈے تھے۔ صوفیہ بیگم کی طبیعت چھ سات دن سے خراب تھی۔ راتوں کی بیداری اور تیمارداری نے شازیہ کی صحت پر کافی اثر ڈالا تھا۔ شکیل اور رضوانہ کے منع کرنے کے باوجود وہ صوفیہ بیگم کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی۔ خود جاگتی رہتی اور سب کو ضد کر کے سونے کے لیے بھیج دیتی۔ رات سونے سے پہلے صوفیہ بیگم کو کافی ضرور دینی ہوتی تھی۔ سب کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ شازیہ نے کافی لانے کے لیے خانساماں کو آواز دی لیکن بارش اور ہوا کے زور سے اس کی نازک سی آواز دب کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہ خود ہی باورچی خانے کی طرف چل دی۔

باورچی خانے میں جانے کے لیے باہر کے برآمدے سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس لیے اس نے شال کو اچھی طرح لپیٹا اور باورچی خانے میں جا پہنچی خانساماں موجود نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے آگ جلائی اور کافی بنا کر ٹرے میں رکھنے لگی۔ اچانک درد کی ایک ہلکی سی لہر اسے اپنے سینے میں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بڑی ہمت سے اس نے ٹرے میں برتن رکھے اور باہر نکل آئی۔۔۔ لیکن عامر کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے دوبارہ سینے میں اتنا شدید درد محسوس ہوا کہ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی۔ کافی کے برتن اس کے ہاتھ سے گر کر چکنا چور ہو گئے اور وہ اسی مقام پر بیٹھ گئی۔ برتن ٹوٹنے کی آواز پر عامر باہر

نکل آیا۔ شازیہ کو فرش پر گرا دیکھ کر وہ سمجھا کہ شاید اس کا پاؤں پھسل گیا ہے۔ وہ جلدی سے قریب آ کر بولا۔

"کیا ہوا بھابی جان؟ کہیں چوٹ تو نہیں آئی آپ کو؟"

"مجھے۔۔۔ میرے۔۔۔ کمرے میں۔۔۔ لے چلو عامر۔۔۔ آہ۔۔۔ میرا۔۔۔ سانس رک۔۔۔ رہا ہے عامی۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ عامر۔۔۔ ہائے۔۔۔ اف!"

عامر نے سہارا دے کر اس کو اپنے کمرے میں لے آیا اور پھر بھاگا بھاگا شکیل کے کمرے میں جا پہنچا۔

"بھائی جان۔۔۔ بھائی جان!"

"کیا بات ہے عامر! اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" شکیل نے کمرے میں اتار کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شازیہ بھابی کو معلوم نہیں کیا ہو گیا بھائی جان وہ تڑپ رہی ہیں آپ میرے کمرے میں چلیے۔ وہ وہیں لیٹی ہیں۔۔۔ میں امی جان کو بلا کر لاتا ہوں۔" عامر نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

پیاری بھابی کے لیے عامر کی گھبراہٹ دید کے قابل تھی۔

شکیل گھبرایا ہوا عامر کے کمرے میں داخل ہوا تو شازیہ سینے کے درد سے بے حال ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے سینے کو دبائے بری طرح تڑپ رہی تھی۔۔۔ شکیل تڑپ کر اس کے قریب آ گیا۔

"شازی۔۔۔ کیا ہوا شازی؟"

"۔۔۔ م۔۔۔ م۔۔۔ میرا۔۔۔ سانس۔۔۔ نہیں۔۔۔ نکل۔۔۔" شکیل نے جلدی سے نبض دیکھی اور ایک دم گھبرا کر زور سے بولا۔
"عامر میرے کمرے سے جلدی میرا بکس لے آؤ!"

عامر نے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہوئے شکیل کی آواز سنی اور اس کے کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔ شکیل کی آواز نے اس کو بوکھلادیا تھا۔ جلدی سے اس نے ڈاکٹری بکس لیا اور ہوا کی سی تیزی سے باہر نکل آیا شکیل نے آلہ لگا کر شازیہ کے سینے کے زیر و بم کو دیکھا اور گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

"نمانیا۔۔۔ یا اللہ پاک رحم!"

اس کا دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔
"عامر!"

"جی!"

"جلدی سے ڈاکٹر صدیقی کو فون کر کے بلا لو میرا دماغ تو کچھ کام نہیں کر رہا ہے۔"
"ان کا نمبر بھائی جان!"

"وہ اس وقت ہو اسپتال میں ہوں گے۔"

"ذرا جلدی کرو عامر۔۔۔" شکیل نے دوبارہ شازیہ کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔
عامر فون کی طرف لپکا۔ اسی اثنا میں صوفیہ بیگم اور رضوانہ بھی آگئیں۔

"کیا ہو گیا ہے میری بچی کو شکیل؟"

"جی۔۔۔" شکیل نے پریشان نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"بھائی جان کی بات ہے۔ ارے یہ تو تڑپ تڑپ کر بے حال ہوئی جا رہی ہی۔" رضوانہ نے شازیہ کے سر کو دباتے ہوئے کہا۔

"نمونیا ہو گیا ہے۔۔۔"

"نمونیا!"

صوفیہ بیگم نے پریشان ہو کر شکیل کی طرف دیکھا۔

"جی امی جان۔ شازیہ کو نمونیا کا حملہ ہوا ہے۔" شکیل نے کوئی انجکشن شازیہ کے بازو میں لگاتے ہوئے کہا۔

"خدا یا! رحم کر میری بچی پر۔۔۔ میں نے منع کیا تھا کہ اس طوفان میں باہر نہ نکلو۔ لیکن مجھ نگوڑی کے لیے وہ چلی گئی۔"

"اللہ پاک۔۔۔ میری زندگی بھی اس کو دے دے۔ شکیل بیٹا خدا کے لیے کچھ کرو، میری بچی کیسی تڑپ رہی ہے۔"

"امی جان! آپ ان کے لیے دعا کریں!" شکیل نے بڑے کرب سے کہا۔

دس پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر صدیقی بھی آگئے۔ یہ شکیل کے بہت عزیز دوست تھے۔ دونوں اکٹھے ہی انگلیٹڈ گئے تھے۔ انہوں نے بغور شازیہ کا معائنہ کیا۔۔۔ پھر گھبرا کر شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"کوئی انجکشن دیا ہے ان کو؟"

"ہاں۔۔۔" شکیل نے بڑی مدھم آواز میں کہا۔

ڈاکٹر صدیقی نے کوئی دوسرا انجکشن تیار کیا اور شازیہ کے بازو میں لگا دیا۔۔۔ پھر جلدی جلدی کچھ کاغذ پر لکھا اور عامر کو دیتے ہوئے بولا۔

"یہ دوائیں ذرا جلدی سے لے کر آ جاؤ۔"

عامر نے کاغذ تھاما اور تیر کی سی تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا پھر اس کی موٹر سائیکل بڑی تیز رفتاری سے جارہی تھی۔

شازیہ اب بے سدھ پڑی تھی۔ ڈاکٹر صدیقی اور شکیل اس کے قریب کرسیوں پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔

ڈاکٹر صدیقی کا ایک ہاتھ شازیہ کی نبض پر تھا شکیل اتنا لائق سر جن ہونے کے باوجود جیسے وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ وہ ایک ٹک شازیہ کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ اس کو اتنا پریشان دیکھ کر صدیقی نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا۔

"شکیل!"

"ہوں۔۔۔" وہ چونکا۔

"کیا بات ہے یار۔۔۔ حد ہو گئی ہے ڈاکٹر ہو کر اتنے گھبرا رہے ہو۔" صدیقی نے اس کو کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"صدیقی شازیہ کی حالت بہت خراب ہے۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے!" شکیل نے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے شازیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے شکیل۔۔۔" میرا خیال ہے کہ بھابی کو ہسپتال لے چلیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔" صدیقی نے قریبی کرسی پر بیٹھ کر شازیہ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو صدیقی۔۔۔ ہر طرح کا انتظام کر لو جس چیز کی بھی ضرورت ہے منگوا لو لیکن دیر نہ کرو میرے دوست۔ شازیہ کی زندگی ہر حالت میں بچاؤ صدیقی۔۔۔ بچاؤ صدیقی!"

"گھبراؤ نہیں شکیل حوصلے سے کام لو۔۔۔ بھابی انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" صدیقی نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے صدیقی۔۔۔" شکیل نے بڑی مایوسی سے کہا۔
"ویسے خدا اتنا بے رحم نہیں ہو سکتا۔ صدیقی میں۔۔۔ میں شازیہ کے بغیر جیسے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" شکیل نے بڑے کرب سے کہا۔

پھر شازیہ کے حسین جسم کو اچھی طرح کمر میں لپیٹا اور شکیل اس کو پھول کی طرح دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر باہر آ گیا۔ بارش اب تک ہو رہی تھی۔ لیکن ہوا کا زور کچھ کم ہو گیا تھا۔ صدیقی نے اسٹیرنگ سنبھالا اور گاڑی ہسپتال کی طرف دوڑنے لگی۔

وہاں اس کو ہاتھوں ہاتھ وارڈ میں پہنچا دیا گیا اور سانس کی آمد و رفت بحال کرنے کے لیے آکسیجن لگادی گئی۔ سب لوگ اپنی اپنی قابلیت آزمارہے تھے۔

شکیل کی وجہ سے شازیہ کی جان ان سب کو اور بھی زیادہ عزیز تھی۔ سب گھر والے بے حد پریشان تھے اور گڑبڑا کر شازیہ کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے پورے دو دن بعد شازیہ نے آنکھیں کھولیں۔۔۔ تو سب کی جان میں جان آئی۔ سلمیٰ بیگم کا بھی روتے روتے برا حال ہو گیا تھا۔ آج شکیل نے زبردستی سب کو گھر بھیج دیا تھا اور سب کو بہت بہت تسلی دی تھی کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ رضوانہ اور عامر نے رہنے کے لیے بہت ضد کی اور شکیل کو قائل کرنے کے لیے کافی دلیلیں بھی دیں لیکن اس نے کسی کی ایک نہ مانی۔ وہ شازیہ کی ساری تکلیف خود اٹھانا چاہتا تھا۔

شازیہ اس کو ساری دنیا سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ اس کو دوسرے کے سپرد کیسے کر سکتا تھا۔ اس نے تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ جتنی دیر شازیہ بے ہوش رہی تھی اس کی آنکھ نہ جھپکی تھی۔ کرسی پر خاموش بیٹھا ایک ٹک اسی کو دیکھتا رہتا تھا۔

آج اس کو جاگتے ہوئے پوری دو راتیں اور ایک دن ہو گئے تھے راتوں کی بیداری اور بے چینی نے آنکھوں کی جلن کو ناقابل برداشت بنا دیا تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھیں کچھ اور زیادہ گہری اور سرخ ہو گئی تھیں پھر بھی وہ پیار بھری نظروں سے پلنگ پر لیٹی شازیہ کی طرف دیکھے جارہا تھا جو انجکشن کی وجہ سے اب تک نیم بے ہوش تھی۔ اچانک شازیہ کے لب ہلے۔

"آ۔۔۔ عا۔۔۔ مر۔۔۔ ہائے۔۔۔ میرے۔۔۔ سر۔۔۔ میں۔۔۔ شدید درد ہے۔۔۔ عا۔۔۔ ا۔۔۔ ف!" وہ پھر غافل ہو گئی۔

شکیل شازیہ کی تکلیف کے خیال سے تڑپ اٹھا۔ اس نے والہانہ انداز میں اسے دیکھا۔۔۔ پھر بڑے پیار سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور ہلکے ہلکے دبانے لگا۔ رات گزرتی رہی۔۔۔ چاند ستارے آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے اور شکیل سوتے جاگتے اس کا سر دباتا رہا اور اسے بڑی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتا رہا۔

صبح کوئی چار بجے کے قریب شازیہ نے آنکھیں کھولیں۔ اب وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھی۔ اس نے بڑی حیرانگی سے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے میں کوئی نہ تھا لوہے کا پلنگ اور دو ایسوں کی شیشیاں دیکھ کر اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔ دماغ پر کچھ زور دینے سے اس کو سب کچھ یاد آ گیا اور وہ سوچنے لگی۔ "میں اکیلی یہاں پڑی ہوں وہ سب لوگ کہاں ہیں۔ امی جان۔۔۔ رضوانہ۔۔۔ اور عامر۔۔۔ کیا کسی نے بھی یہاں رہنا گوارا نہیں کیا۔۔۔ اور شکیل۔۔۔ اس نے بھی؟"

شازیہ نے کچھ دیر سوچتے ہوئے ذرا سا سر موڑنے کے لیے ہلایا۔۔۔ تو اس کو اپنے سر پر کچھ دباؤ سا محسوس ہوا۔۔۔ وہ گردن موڑ کر دیکھنے لگی اور بے اختیار مسکرا دی۔ شکیل کا ایک ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ دوسرا بازو شازیہ کے سر کے نیچے رکھا تھا اور وہ سرہانے کی طرف بے خبر سو رہا تھا۔

"ہائے میری وجہ سے ان کو کتنی تکلیف ہوئی۔۔۔ کیا یہ ساری رات یہاں بیٹھے رہے۔۔۔ کیا یہ ساری رات جاگتے رہے جواب اس طرح بے سدھ سو رہے ہیں۔۔۔ کیا میری وجہ سے گھر نہیں گئے۔۔۔ ہائے ان کو کتنی تکلیف ہوئی!"

نادان یہ نہ جانتی تھی کہ دوراتوں سے اس نے آنکھ تک نہیں جھپکائی تھی۔
شکیل کی تکلیف کے خیال سے سراٹھا کر جو نہی وہ اس کا بازو سیدھا کر کے پیچھے کرنے لگی،
شکیل جاگ اٹھا اور سب سے پہلے اس کی نیند سے سرخ سرخ اور بو جھل آنکھیں جس چیز پر
پڑیں وہ شازیہ کی حسین اور مسکراتی ہوئی شریقی آنکھیں تھیں۔
شازیہ نے اس کی گہری گہری کالی بو جھل آنکھوں کی تاب نہ لا کر گھبرا کر اپنی آنکھیں بند
کر لیں۔

شکیل نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے شازی؟"

لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ صرف پلکیں تھرتھراتی رہیں۔

"میری کوئی بات ناگوار گزری ہے تو میں معافی چاہتا ہوں شازی!" شکیل نے بڑی میٹھی
آواز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ تو۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔" شازیہ کے منہ سے اچانک نکلا۔

اس نے لرزتی کانپتی پلکیں اوپر اٹھائیں اور آنکھیں شکیل کی آنکھوں سے مل گئیں۔

شکیل کی آنکھوں میں ایک والہانہ چاہت کا طوفان موجزن تھا۔۔۔ جو دل کی کشتی کو

ساحل پر لے جانا چاہتا تھا۔۔۔ پھر۔۔۔ آنکھوں نے ایک دوسرے سے نہ جانے کیا کہا اور

انہوں نے نہ جانے کیا دیکھا۔۔۔ کہ جذبات میں ایک ہلچل مچ گئی۔۔۔ دل تڑپ اٹھے۔

نسائیت اور خودداری کی ساری دیواریں چکناچور ہو کر زمین پر آگریں اور شازیہ نے

بے اختیار شکیل کے کشادہ اور خوبصورت سینے میں منہ چپھالیا۔

شکیل کچھ دیر کے لیے گھبرا سا گیا۔۔۔ اور اس کی زبان سے نکل گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔۔۔ شازی!"

"آپ نے کیا کہا؟"

"کیا یہ سچ ہے شازی؟"

"جی۔۔۔"

"ایک بار پھر کہیں۔۔۔ خدارا ایک بار پھر کہیں۔۔۔"

شکیل نے وار فنگی میں شازیہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"سن لیا ہوتا۔۔۔" شازیہ کی مترنم آواز سنائی دی۔

"اچھا۔۔۔"

"میری طرف دیکھیں شازی۔۔۔ آنکھیں تو کھولیں۔۔۔ ان چراغوں سے ہی تو میری

زندگی کی راہیں روشن ہوں گی۔۔۔ ان آنکھوں سے ہی تو میں آج کے بعد دنیا کی ہر شے

دیکھا کروں گا۔۔۔ یہ وقت کتنا حسین اور مسرت انگیز ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ مجھے صرف اتنا

بتادیں کہ میری قسمت کا ستارہ اندھیروں کے عمیق غاروں سے کیسے نکل آیا؟" شکیل نے

ایک وار فنگی میں

زبردستی شازیہ کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بتاؤ نہ شازی۔۔۔" شکیل نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"میں کیا۔۔۔ جانوں۔۔۔" شازیہ مسکرائی۔

"اچھا۔۔۔ جی۔۔۔"

"شازیہ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔۔۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ نے مجھے نئی زندگی بخشی ہے۔
۔۔۔ ویسے۔۔۔ تم نے مجھے بہت تڑپایا بھی ہے۔ بہت ہی زیادہ۔۔۔"

"مجھے معاف کر دیں۔۔۔ شکیل۔۔۔ واقعی میں نے آپ کو بہت دکھ دیے ہیں۔" شازیہ
نے مدھم آواز میں کہا۔

"وعدہ کریں کہ اب تو دکھ نہ دیں گی۔"

"وعدہ ہے۔"

شکیل نے مسکرا کر اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ کر اپنا منہ اس کی گھنیری زلفوں
میں چھپالیا۔۔۔ اس کی آواز پیار سے لبریز تھی۔

"شازی۔۔۔ میری شازی۔۔۔!"

پیار کے چشمے ابل پڑے۔۔۔ اور شکیل کی مدت کی پیاسی روح ان سے سیراب ہونے لگی۔

ستارے اس حسین ملاپ پر مسکرا رہے تھے۔۔۔ لیکن چاند نے جل کڑ بادلوں میں منہ
چھپالیا۔

